

ساری عمر دیکھتے رہنے سے اس کا جی نہیں بھرنے والا تھا اب وہ اسے آخری بار دیکھ آیا تھا۔ وہ جو عشق مجازی میں آقا تھا وہ عشق حقیقی کی باندی کو چھوڑ آیا تھا۔ اب وہ محبوب کے محبوب کو پانے نکلا تھا۔ رات کے ایسے آگ آگ ہوتے پہر میں لا منزل چلتے خلیفہ نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اس کا دل دائمی جدائی کے خوف سے کرلا رہا تھا۔ اس کی سیاہ واڑھی سفید ہونے جا رہی تھی۔

”اور عشق۔۔۔ اس پر یہ جائز نہیں کہ غفلت برتی جائے۔“

نار کو پیچھے چھوڑتے نار کو وہ خود میں لیے اسے لگا وہ تب سے چل رہی ہے جب سے پیدا ہوتی ہے۔ آخر اس کا سفر کب ختم ہو گا۔ ہو گا بھی یا نہیں۔ اس کے پیروں کے ساتھ اس کے آنسوؤں نے جو سفر کیا ہے وہ کہاں جا کر رہے گا۔

کئی ٹیکسیاں اس کے قریب سے گزر گئیں اس نے کوئی ایک بھی نہیں لی۔ وہ کوٹ کے کالر سے اپنی آنکھیں رگڑتی رہی۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کئی بار کرنے لگی تھی۔ اسے اپنی آنکھیں صاف رکھنی تھیں اس کی آنکھیں صاف ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔

اس کے کانوں میں لفظوں کی دھماکا مچی تھی۔ ”مجھ سے شادی کرو گی امجد۔۔۔؟ مجھ سے شادی کرو گی امجد؟ شریعت ہی سمجھ لیں۔ حسب نسب لے کر بیٹھنا۔ اسے ایک شہزادی سے محبت ہوتی ہے لیکن شہزادی اس سے لاعلم ہے۔ میرے ساتھ روس چلو گے پیپا سے ملنے۔ میں تمہارا کھلونا نہیں ہوں۔ امجد۔۔۔ اب تمہیں جو کہنا ہے وہ سننے کے لیے

میں خود کو موجود نہیں پاتا۔ جن سے ایک بار دھتکار ملے ان کے پاس پلٹ کر جانے کا جرم نہیں کرنا چاہیے۔“

اور اس کا وہ گیت جو پورا بنا گیا تھا نہ آدھا نہ سڑک پر اس کے قدموں تلے بکھرتا چلا گیا۔ لفظوں کی دھماکا

میں کرلانے لگا۔

”آغاز بہار کی آمد ہے۔“

سانسیں معطر ہونے لگی ہیں مرتسم ہے دھنک بھی آنکھوں میں نیا جہاں دل میں سجنے لگا ہے اب وہ سجنے لگا ہے۔“

ٹیکسی کو بمشکل روک کر وہ اس میں بیٹھ سکی اور گھر آ گئی۔ اور اس سلمان کو پیک کرنے لگی جسے ساتھ لے کر اسے پاکستان جانا تھا۔ اسے سلمان میں اس نے سب سے پہلے چھپا کر رکھے باکس کو نکال کر رکھا۔ وہ پہلی فلائٹ سے ہمیشہ کے لیے پاکستان جانے کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی۔ کیونکہ وہ جان چکی تھی اس نے اس شخص کو کھو دیا ہے جسے اب کوئی اور پا چکا ہے۔ امجدہ زندگی میں کبھی دوبارہ عالیان کو دیکھ سکے گی؟ کیا عالیان ہمیشہ کے لیے امجدہ کو اپنی زندگی سے نکال چکا ہے؟ امجدہ اس کے بغیر کیسے جی پائے گی؟

(باقی واقعات آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے موزعمورت ناول



اصغر ریاض



قیمت - 250/- روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

فون نمبر: 32735021

37، اردو بازار، کراچی

گلزار

امرحہ کی پیدائش کے وقت اتفاقی طور پر رولما ہونے والے چند ناکوار اور نقصان دہ واقعات کے سبب وہ اپنے خاندان میں "منحوس" مشہور ہو جاتی ہے۔ اس کے بابا اماں دادی اور تینوں بہن بھائی دانیہ، حماد اور علی اسے اکثر جنم جلی، منحوس، کالی نظر اور کالی زبان کہتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی منگنی بھی ان ہی افواہوں کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اپنی نحوست کے صبح شام قصے سن کر امرحہ خود ترسی کا شکار ہو کر روٹی رہتی ہے۔

پورے گھر میں صرف دادا ہی اس کی دل جوئی کرتے ہیں اور گھر والوں کی باتوں کو لغو قرار دیتے ہوئے امرحہ کو بھی ان پر کان دھرنے سے منع کرتے ہیں۔ امرحہ کی اپنے دادا سے خوب ہمتی ہے۔ وہ سارا دن ان کے ساتھ پنجاب لا بھیری میں گزارتی ہے۔ جہاں وہ لا بھیرین تھے دادا اسے سمجھاتے ہیں کہ تم پردھانی پر دھیان دو اور اسکا لرشپ لے کر باہر ملک چلی جاؤ۔ امرحہ اپنے باپ، بہن بھائیوں کی طرح پردھانی میں کمزور ہے مگر دادا کی بات پر وہ ٹاپ کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دیتی ہے مگر پھر بھی بہت اچھے نمبر حاصل نہیں کر پاتی۔ اسی دوران اس کی شادی کا سلسلہ چلتا ہے مگر چند روز قبل دولہا کی جوان بہن کے بیوہ ہو جانے پر اس کی شادی رہ جاتی ہے اور اس کی نحوست پر ٹھہر لگ جاتا ہے۔ امرحہ دل برداشتہ ہو کر نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بیچ جاتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد امرحہ کی زندگی مزید تلخ ہو جاتی ہے۔ وہ مختلف بیرون ملک کالج و یونیورسٹیوں کے ہزاروں آن لائن اسکا لرشپ فارم بھرتی ہے مگر ہر جگہ سے انکار ہوتا رہتا ہے۔ بالا خرما پوسٹر یونیورسٹی سے اسے اسکا لرشپ مل جاتا ہے جو اس یونیورسٹی کی طلباء و سائنسی اپنے ذاتی فنڈ سے دیتی ہے جس کی رو سے امرحہ کو تیس فیصد ادا کرنا ہوتا ہے باقی ستر فیصد کی ادائیگی ان کی طرف سے ہوگی۔ اس کے علاوہ دو دن کی میزبانی کے

مکمل ٹاپل





بعد امرہ کو اپنی رہائش اور اخراجات کا خود بندوبست کرنا ہو گا۔ یہ سب باتیں اسے برطانیہ پہنچنے کے بعد دوا تم بتاتا ہے۔ دادا جی امرہ کے لیے پیسے اکٹھے کر کے اسے برطانیہ بھجوا دیتے ہیں۔ باقی اسے خود اپنے بل بوتے پر کرنا ہو گا۔ عذرا، شہلی، بیٹی اور اور لسی کول سے اس کی ابتدائی ملاقات ہوتی ہے۔

امرہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک کافی شاپ میں جاب کرنے لگتی ہے اور لیڈی مہر کے گھر اس کی رہائش کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے۔ لیڈی مہر بے اولاد خاتون ہیں۔ انہوں نے۔۔۔ ششل کاک نامی اپنے ہاسٹل نما گھر میں مختلف بچوں کو اولاد کی طرح رکھا ہے۔ ان ہی میں ایک عالیان مارگریٹ ہوتا ہے۔ وہیں سادھنا، ویرا اور این اون سے اس کی دوستی ہو جاتی ہے۔ جاب کے دوران وہ ڈیرک کے ساتھ مل کر ڈاکو منسٹر فلم بنانے لگتی ہے۔

اسی دوران امرہ کے بابا جن کی اعظم مارکیٹ میں قالین کی دکان ہوتی ہے، آگ لگ جاتی ہے جس سے ان کا بیس، پچیس لاکھ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ انہیں انیک ہو جاتا ہے۔ امرہ انہیں سلی دیتی ہے اور ڈاکو منسٹر فلم سے ملنے دیا۔۔۔ پیسے ان کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ لیڈی مہر بھی اسے ایک چیک دیتی ہیں۔ امرہ وہ رقم بھی پاکستان بھجوا دیتی ہے۔ امرہ کے والد بہت خوش ہوتے ہیں۔ امرہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہوتی ہے جب عالیان مارگریٹ کسی اسپائیڈر مین کی طرح اس کی کھڑکی میں جھانکتا ہے۔ امرہ کی چیخ نکلتی جاتی ہے۔

عالیان بتاتا ہے، یہ اس کا گھر ہے، وہ اس کے کمرے کی کھڑکی سے کود کر باہر نکل گیا، تھوڑی دیر بعد گھر میں آوازیں گونجنے لگیں تو سادھنا نے بتایا کہ لیڈی مہر کا بیٹا آیا ہے۔ وہ لیڈی مہر کے کمرے میں گئی تو دیکھا کہ وہ لیڈی مہر کے بیڈ پر بیٹھا انہیں کیک کھا رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ لیڈی مہر نے ایک بار بتایا تھا کہ ان کا بیٹا بھی اس کی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے اور بہت قابل ہے۔

امرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا نام عالیان تھا اور اس کی ماں کا نام مارگریٹ۔ اسے عجیب سا لگا، نا جائز؟ دوسرے دن لیڈی مہر کی سالگرہ تھی، جوان کے بچوں نے بڑے اہتمام سے منائی۔ انہوں نے امرہ کو عالیان کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے اسے ایک ادارے سے لیا تھا اور بڑی تن دی سے اس کی تربیت کی ہے۔ امرہ کو افسوس ہوا کہ اس کی ماں نے کبھی بیٹوں کی تربیت پر توجہ نہیں دی تھی۔

ویرا کا ساتھ امرہ کو احساس دلا رہا تھا کہ عورت بھی بہادر ہو سکتی ہے۔ عالیان کی توجہ نے امرہ کو ایک عجیب احساس سے دوچار کر دیا، وہ لاشعوری طور پر عالیان سے متاثر ہو رہی تھی۔

ہارٹ راک میں امرہ اور ویرا کی باتیں ریکارڈ کر کے چلانے پر امرہ ویرا سے ناراض ہو جاتی ہے۔ امرہ کو شدت۔۔۔

احساس ہوتا ہے کہ عالیان کے بارے میں یہ سب کہہ کر اس نے اچھا نہیں کیا۔ ہارٹ راک کیفے کے باہر امرہ، عالیان کا انتظار کرتی ہے، مگر وہ اس سے صحیح سے بات نہیں کرتا۔ رات کو عالیان ویرا کو ششل کاک چھوڑ کر جاتا ہے امرہ کو یہ بات پری لگتی ہے کہ عالیان اپنی سائیکل پہ ویرا کو چھوڑنے آیا۔ ویرا امرہ کو بتاتی ہے کہ وہ گر گئی تھی۔ اس کے پیر پر چوٹ آئی تھی اس لیے عالیان اسے گھر تک چھوڑنے آیا تھا۔

امرہ ہمت کر کے عالیان سے ملنے دوبارہ جاتی ہے۔ وہ اسے ٹویٹ میں چاکلیٹ دیتی ہے۔ عالیان حیران ہوتا ہے، مگر پھر اس کی ٹویٹ لینے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس پر امرہ کہتی ہے کہ اگر تم ٹویٹ دو تو میں ابھی بھی تیار ہے۔ عالیان لا جواب ہو جاتا ہے۔

ساتویں قسط

اس کے بیک بیڈ پر رکھے تھے اور وہ بری طرح سے تیار ہو چکی تھی۔ خود کو یہاں سے لے جانے کی۔

وہ اپنے کمرے کی اس کھڑکی کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی جہاں سے کبھی وہ کودا تھا۔ وہ جذبات کے اس کنارے پر کھڑی تھی جہاں سے سب کچھ ٹوٹا پھوٹا ہی نظر آتا ہے۔ ایک دیوانے کی سی کیفیت جو اپنے وجود کے پاتال میں اتر کر اڑیاں رگڑنے لگتا ہے۔ دہن سے گرب انگیز آوازیں نکالتا ہے اور عالم دیوانگی میں خود کو ادھر ادھر پھینکتا ہے۔

خود پر حملہ آور ہو چکی، لپکپی کوٹاواں کرنے کے لیے اس نے اپنے گرد بازو لیٹے۔

یہ انتہا تھی جانکاری کی۔ عروج کہیں پیچھے رہ چکا تھا۔ محبت اس سے بہت آگے نکل چکی تھی۔

وہ عالم فضا میں تھی۔ دنیا میں بہت کچھ ضروری ہوگا، لیکن عالیاں سے پہلے نہیں۔ اس سے پہلے سب فنا ہی ہوگا اور اس کے بغیر بھی۔ عالم یقین کے پٹ اس پر وا ہوئے اور اس نے جانا کہ وہ اس سے جدا ہونے کی متحمل ہو سکتی ہے اگر زندہ ہی نہ رہے۔

ہاں یہ ہی وہ بات تھی جو بہت پہلے طے ہو چکی تھی اور منکشف اب ہوئی تھی کہ اب جو اس کے بغیر ہوگی وہ زندگی نہیں ہوگی۔ اب پھول کھلیں گے، نہ بہار آئے گی۔ خوشیوں کا منتظر رہا جائے گا نہ مسکراہٹوں کو خوش آمدید کہا جائے گا۔ کائنات کی اس حد سے اس حد تک پھیلاؤ ہوگا، لیکن ٹھہراؤ نہیں۔ کوئی گیت سنانا نہیں لگے گا اور کسی داستان میں جی نہیں اٹکے گا۔ اب موت کی نشانیوں کا انتظار کیا جائے گا اور بینائی کو جزواں کر دیا جائے گا۔ اب نہ بولنے کی غرض رہے گی نہ سننے کی چاہت۔

اب۔ ساری دنیا کے اہرام اپنی بلندیوں سے گر جائیں گے اور پانی کے ذخیرے اپنا پانی الٹ دیں گے۔ تو بھی قیامت کا گمان نہ ہوگا۔

صبح تک وہ فیصلے کے پندولم پر جھولتی رہی۔

وہ مرنے کا ارادہ نہیں رکھتی اور مر مر کر زندہ رہنے کا بھی۔

وہ اگھر آچکی تھی اور اس بھی۔ وہ را کو نیوارک جانا تھا، جس ٹیکسی میں وہ کھڑائی تھی اسی ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ ایر پورٹ چلی گئی۔ اس کا دروازہ بجائی رہی، لیکن اس نے کھولا ہی نہیں۔

”تم نہ صرف خود پاگل ہو، بلکہ دوسروں کو پاگل کر دینے کی طاقت بھی رکھتی ہو۔“ دروازے کے باہر اس تیز آواز میں بڑبڑا کر چلی گئی۔ وہ رات بھر اسے فون کرتی رہی تھی، لیکن اس نے اٹھایا نہیں تھا۔ وہ سمجھی وہ وہیں کہیں ہے، لیکن وہ گھر پہنچتی تھی۔

بہت صبح وہ شٹل کاک میں کسی کے بھی اٹھنے سے پہلے یونی آگئی اور باہر سے ہی اس کے گرد چکر لگاتی رہی۔ سڑکیں سنسان تھیں اور یونی بھی۔ وہ حسرت سے اس عمارت کو دیکھ رہی تھی جس کی یاد آنے پر وہ سختی سے آنکھیں میچ لیا کرے گی۔ اپنی سانس کو متوازن رکھنے کے لیے اسے خود سے گہری گہری سانسیں لینی پڑ رہی تھیں۔

اس عمارت کے اندر جاتے ہی اس کی نئی زندگی نے سانسیں لینی شروع کر دی تھیں اور اس عمارت سے باہر ہوتے ہی وہ نئی سانسیں آخری سانسیں لینے لگیں گی۔ ادھر ادھر کسی پارک میں بیٹھے، فٹ پاتھر پر چلتے، کافی شاپس کی شیشوں کی دیواروں سے اندر جھانکتے اور مانچسٹر پر آخری اڑان بھرتے جیسے پرندوں کو دیکھتے اس نے کافی وقت گزار لیا اور پھر وہ اپنے اسٹور آگئی۔

”تمہاری ڈیوٹی تو شام میں نہیں؟“ مینجر نے پوچھا۔

”اسٹور روم میں کچھ جوتے ہیں، وہ مجھے خریدنے ہیں۔“ وہ ذرا اٹک کر بولی۔

”ٹھیک ہے خرید لو۔“

وہ اسٹور روم میں آگئی اور وہ جوتے اٹھالائی، جسے عالیاں نے پہن کر دکھا تھا اور جو بعد ازاں اس نے ایسی جگہ چھپا دیے تھے کہ کوئی اور ورکر انہیں دیکھ کر خرید ہی نہیں سکے۔

جوتوں کے وہ تین عدد جوڑے تھے۔

مینجر نے انہیں دیکھا تو شرارت سے مسکرانے لگا۔ بے شک ان میں نقص معمولی ہے، لیکن میں پھر بھی تمہیں مشورہ دوں گا کہ اس شاہی خاندان کے فرد کے لیے تم انہیں بھی معمولی سمجھو اور ان تین کے بجائے تم ایک وہ لے لو جسے میں نے ایک میگزین میں پرنس ہیری کو پہنے دیکھا ہے۔ اس نے مسکرا کر کہا، لیکن اس کی تحریک سنجیدہ تھی۔

وہ مسکرا نہیں سکی اور بتا بھی نہیں سکی کہ جوتے عالیان کے لیے معمولی ہی ہوں گے، لیکن اس کے لیے بہت خاص ہیں، وہ انہیں اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے۔ وہ ان باقیات کو اکٹھا کر رہی ہے جو پورا عالیان نہیں بنا سکتیں۔

”پھر کیا ارادہ ہے پرنس ہیری کے جوتے کے بارے میں۔“

جس انداز سے عالیان اسٹور آتا تھا سب کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ جوتے لینے تو ہرگز نہیں آتا، بلکہ ایک بار مینجر نے شیشے کے پار سڑک کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ ”دیکھو۔ کیا یہ وہی ہے جس نے آج تک ہمارے اسٹور سے کچھ نہیں لیا، سوائے تمہارے قیمتی وقت کے۔“

امرحہ چڑجاتی۔ ”پتا نہیں۔“

”اس کی آس کریم ختم ہو چکی ہے اور تمہاری جاب ٹائمنگ بھی۔ ویسے وہ تم سے کیا کہتا ہے کہ میں یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تم سے ہائے ہیلو کرتا جاؤں۔ یا وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے مائچسٹر کے فلاں کو نے میں واقع فلاں ریٹورنٹ دریافت کر لیا ہے، جہاں ملنے والا فیش سوپ اتنے مزے کا ہے کہ گمان ہوتا ہے کہ اس کے شیف نے اس پر کوئی جادو پڑھ کر پھونکا ہے اور سنو وہ چھلے پندرہ منٹ سے ادھر ادھر ٹہل رہا ہے جو گزر رہے ہوتے ہیں۔ وہ ایسے پندرہ منٹ تک انتظار نہیں کرتے اگر وہ تمہارے سامنے یہ جھوٹ گھڑے تو تم مسٹری سے مسکرا سکتی ہو۔“

اب وہ اداسی سے مسکرا دی اور نفی میں سر ہلایا کہ

ہیری کے جوتے نہیں چاہئیں۔ جوتے اسٹور میں ہی رکھوا کر وہ باہر آگئی۔ وہ اپنے واجبات لینے آئی تھی، لیکن فی الحال اس نے واجبات کو چند گھنٹوں پر ٹال دیا۔ اس نے خود کو بھی چند گھنٹوں کے لیے ٹال دیا۔

اسے شکوہ ہونے لگا کہ مائچسٹر پر جو دھند اتر رہی ہے وہ اس کی آنکھوں میں کیوں گھس رہی ہے کہ اسے چلنے پھرنے میں دشواری ہو رہی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو وہ تیزی سے اپنے کام سمیٹ لے۔ بلکہ بہت تیزی اور پھرتی سے۔ اور وہ جو بار بار اپنے وجود پر کسی چیز کے قائم ہونے کا پتا معلوم کر رہی ہے تو اس سے بھی اسے فرصت ملے اور اس کے کالے کوٹ کے اندر کیا چیز پاش پاش ہو چکی ہے۔ ذرا دم لے کر اس کا بھی حال چال پوچھ۔

اس نے خود کو مائچسٹر کو کھوجتے پایا۔ اچھا خیال تھا کہ وہ مائچسٹر کو کھوج رہی ہے۔ کئی لوگوں نے اس کے گلابی گالوں اور سرخ خم آنکھوں کو ٹھٹک کر دیکھا۔ اس پر ترس کھایا جاسکتا تھا اور اس نے خود کو قابل رحم ہی بنالیا تھا۔

اس کے اندر ایک جذبہ بار بار سراٹھار رہا تھا کہ وہ دنیا کو آگ لگا دے اور سب سے پہلے خود کو۔ اس نے نفرت سے اپنے خاندان کے بارے میں سوچا۔ اور پھر آخری نقطے پر شہر کر وہ خود سے نفرت کرنے میں مشغول ہو چکی تھی۔ اس نے دبے دبے غصے سے داوا کے بارے میں سوچا اور چاہا کہ انہیں اپنے ساتھ کھڑا کر لے اور اس شخص کی طرف دیکھتے رہنے کا حکم دے جو برنگ مین کے ساتھ جل کر راکھ ہو چکا ہے اور کیا پھر بھی داوا یہ کہنے کا حوصلہ کرپا میں گے۔

”حسب نسب لاؤ۔“ اس کی راکھ کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر بھی وہ اپنا سوال نہیں بدل پائیں گے۔ کیا تب بھی وہ اس کی دل کے بات مان لینے پر مجبور نہیں ہو جائیں گے۔ ٹھنڈی پھوار اس کا سر بھگور رہی تھی اور وہ ان قصے، کہانیوں میں غلطاں ہو چکی تھی جو معاشرے میں کتابوں میں، ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ وہی جن میں سب ہوتا ہے، بس ملن نہیں

ہوتا۔

وہ جارہی ہے۔ تو کیا اسے واقعی جانا ہوگا۔ اس کے رخصت کے استعارے اکٹھے ہونا شروع ہو گئے ہیں اور اس کے قیام کی علامتیں ردیوش ہو گئی ہیں۔

”اتنا وقت تمہارے ساتھ گزارا ہے اور تم کیسے جذبات سے عاری خاموش سی جارہی ہو۔ اگر تمہارا جانا ضروری ہے تو اچھے انداز سے بائے کہہ کر جاؤ ورنہ مجھے موقع دو کہ میں تمہیں اس انداز میں الوداع کہوں جس انداز میں میں نے تمہیں خوش آمدید کہا تھا۔“

اور صرف اتنی سی بات پر وہ پھر سے رونے لگی۔ اور آنکھوں کو رگڑ کر مینجر کو دیکھا۔

”میں نہیں جارہی۔ کہیں نہیں جارہی۔“

”پھر حجاب کیوں چھوڑی۔“

”یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔ میں سب چھوڑ سکتی ہوں، لیکن اسے نہیں۔ پوری شدت سے جانے کا فیصلہ کرنے کے باوجود میں ساری قوتیں لگا کر خود کو روک لیتا جا رہی ہوں۔ مجھے روک لیں۔ پلیز۔“

”رک جاؤ امرجہ۔“

”میں یہاں رہنا چاہتی ہوں۔“

”رہ جاؤ یہاں۔“

”دنیا کے کسی اور کونے میں، میں کیسے رہ سکتی ہوں اب بھلا؟“

”دنیا کے اس کونے کے علاوہ تمہیں کہیں اور رہنے کی ضرورت نہیں۔“

”یہاں بھی اب میری ضرورت نہیں رہی، یہاں بھی نہیں رہ سکتی، یہاں سے جا بھی نہیں سکتی۔ اسے اتنی جلدی کیوں تھی۔ مجھے ہنسانے اور رلانے کے کام اس نے اتنی جلدی جلدی کیوں کیے؟“ اس نے مینجر کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

دکسن ہمدردی سے اسے دیکھنے لگا۔

”وہ جو توں والا؟“ بہت کچھ وہ پہلے سمجھ چکا تھا اب مکمل سمجھ رہا تھا۔

”میں اپنے جانے کے سامان کر رہی ہوں اور خود کو روک لینے کے بھی۔ میں بری طرح سے منتشر ہوں۔“

داستان امرجہ کے ساتھ بھی یہ ہی ہوا، بہت کچھ اس نے الٹا پلٹا کر دیا تھا۔ اور باقی حالات نے۔ وہ کسی کو راضی نہ رکھ سکی، خود کو نہ عالیاں کو، دونوں ایک ہی راستے پر چلتے چلتے ایک دوسرے کی پشت پر آ گئے۔ وہ اپنی وجوہات کی وجہ سے پلٹ کر نہیں دیکھ رہا تھا اور یہ اپنی۔ پانی کی دھار بنے وہ پانی کے کنارے بن گئے۔ گھوم پھر کر وہ پھر اسٹور آگئی، اپنے واجبات لینے، واجبات سے زیادہ مقصد جاب چھوڑ دینے کا عندیہ دینا تھا۔

”تمہارا کوئی پوچھنے آیا تھا۔“ اسے دیکھتے ہی مینجر نے اسے بتایا۔

”عالیاں۔“ سانس سے بھی پہلے نام اس کے حلق سے نکلا۔

”کوئی سائی تھا میں نے کہہ دیا، تم آئی تھیں اور چلی گئیں۔“

”سائی!“ وہ بڑبڑائی۔ وہ کافی بار اسے کال کر چکا تھا، لیکن اس نے کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے اندر سائی کے لیے بھی نفرت محسوس کی اور غصہ بھی۔

”مجھے میرے بقایا جات چاہیے۔“ ہاتھ مسلتے اس نے کہہ دیا۔

”تم جاب چھوڑ رہی ہو؟“

”ہاں۔“ اس نے نظریں چرا کر کہا۔

”کہیں اور جاب مل گئی ہے؟“

”مجھے جاب کی ضرورت نہیں رہی اب۔“

”تم ٹھیک ہو امرجہ؟“

”ہاں۔ بالکل۔“

”بیٹھ جاؤ امرجہ۔“ مینجر نے نرمی سے کہا۔

وہ شیشے کی دیوار کے پاس رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی اور گیلی سڑک کو دیکھنے لگی۔

”کہیں جارہی ہو؟“

دونوں ہتھیلیوں کو مسلتے امرجہ نے چونک کر گیلی سڑک پر سے نظریں اٹھائیں۔ اسے یہ کس نے بتایا کہ

”میں اسے کبھی یہ بتا نہیں سکی کہ وہ مجھے کتنا اچھا لگتا ہے۔ اب اسے کون بتائے گا کہ امرہ نے اسے کتنا پسند کیا“ اتنا کہ میں نے اس کے پلٹ جانے پر اس کی پشت کو او جھل ہو جانے تک دیکھا اور اس کے سامنے آنے پر میں نے اپنی نظر سے اس کی نظر اتاری۔ اگر وہ مجھے نہ ملا ہوتا تو مجھے یہ کبھی معلوم نہ ہوتا کہ خدا کی رحمت کیسے انسانی صورت جسم ہوتی ہے اور اگر کرم اور مہربانی کی کوئی پہلی صورت ہے تو وہ اس جیسے انسان کی زندگی میں شامل ہونا ہے۔ اندھیروں پر قابض ہو جانے والا وہ روشن ستارہ جو طلوع ہوا کرتا ہے غروب نہیں۔

رات کو آنکھیں بند کرنے سے پہلے مجھے یہ منظر دیکھنا یاد رہتا ہے کہ کیسے وہ سر کو اٹھا کر قہقہے لگاتا ہے۔ مجھے دلی سکون ملتا ہے اس منظر کو دہرا کر جب وہ میرا ماسک اٹھانے جھکا تھا۔ جو مسکراہٹ اس وقت اس نے اپنے ہونٹوں پر سجا رکھی تھی وہ ان جذلوں کو عطا کی جاتی ہیں جو اب ناپید ہوتے جارہے ہیں۔ اس مسکراہٹ سے میں اس کی مداح ہو گئی اور طلب گار بھی۔ میں اسے یہ بھی نہیں بتا سکی کہ وہ خاموش رہتا ہے تو گنگنا تا ہوا لگتا ہے اور اگر وہ گنگنا لے تو ساری خاموشیوں کو جگاتا لگتا ہے۔ میں نے تو اسے کچھ بھی نہیں بتایا اور نہ اس نے مجھے سنا۔ اس نے اپنے کان ویرا کے منہ کے آگے کر دیے، کتنی جلدی میں تھا وہ بدہیت ہوتی ہے ایسی عجلت کہ مٹھی میں قید کر لینے والے مٹھی کھول دینے پر مائل ہوں۔

اپنے وجود کو ساکت رکھے، دونوں ہاتھ گود میں رکھے اسے دیکھتے ولسن کی نظروں میں ترحم بڑھتا جا رہا تھا۔ ”تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک دن خود تمہارے پاس آئے گا۔“

”مجھے بھی یہی خوش گمانی تھی۔“

”خوش گمان ہونا اچھا ہے، بجائے بدگمان ہونے کے۔ اپنے دل کو اور ہلکا کر لو۔ لیکن کہیں مت جاؤ۔“

جس حالت میں وہ بیٹھی تھی اسی حالت میں اٹھ کر

میرا ایک حصہ میری مٹھی میں ہے اور ایک اس کے وجود میں۔ میں خود کو کہاں کھڑا کروں اور کہاں سے چلا کروں میں فیصلہ نہیں کر پا رہی۔ ولسن! میں نے اسے کھیل نہیں سمجھا تھا، لیکن کھیل کی طرح ہی کھیل گئی۔ اسی لیے تو محبت میں ہار جیت ہوتی ہے۔ اگر ہم اس سے نہ کھیلیں تو ایسا تو نہ ہوتا۔ صرف جیت ہی ہو۔ بس جیت۔“

ولسن میز کے کنارے سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ امرہ اردو میں بول رہی تھی، اسے الفاظ سمجھنے میں وقت تھی۔ محسوسات سمجھنے میں ہرگز نہیں۔

”میں نے ہر خوب صورت شے کی طرف سر اٹھا کر دیکھا ہے۔ آنکھیں گاڑ کر۔ دل جما کر۔ پھر بھی میں یہ یقین حاصل نہیں کر پاتی کہ میں ان کے سہارے جی لوں گی وہ میرے لیے کچھ تو سہارا بن جائیں گی۔ دیکھو یہ سڑک پر چلتے لوگ، ہنستے مسکراتے لوگ مجھے کتنے ہیبت ناک لگ رہے ہیں اور یہ آسمان سے برستی پھوار مجھے اس پر ترس بھی آ رہا ہے مجھے یہ کیسی حقیر بھی لگ رہی ہے۔ یہ میرے آنسوؤں سے مقابلہ کر رہی ہے۔ اور میں نے ساری بڑی نعمتوں کو گن کر دیکھ لیا ہے۔ ان کے انبار بھی مجھے دے گئے تو میرے لیے رانی برابر خوشی کا سامان نہ ہو سکے گا۔ میں کبھی حساب میں اچھی نہیں رہی اور دیکھو، آج ہر غم کے جواب میں وہ نکلتا ہے اور ہر خوشی کے سوال میں بھی۔ میرا حساب اچھا ہو گیا ہے۔“

میز پر رکھے ٹشو باکس کو ولسن نے اس کے آگے کرنا قائل تحقیر جانا۔ وہ بچوں کی طرح اپنے کسی پیارے کھلونے کے ٹوٹ جانے پر رو رہی تھی۔ اسے لاڈ سے چپ کر دیا جاسکتا تھا یا تسلی سے، صرف اس کی آنکھیں خشک کر دینا کافی نہیں ہو گا۔

”میں سوچتی ہوں اگر اپنی ہتھیلیوں پر آنسو بہاتی رہوں تو شاید میری قسمت بدل جائے۔“ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ اسے سننے کے لیے کلن اس کے منہ کے پاس لے جانے پڑتے تو ثابت ہوا کہ وہ خود اپنے آپ سے بات کر رہی تھی۔



وقت کے ساتھ ساتھ محبت نے شدت اختیار کر لی تھی۔ ڈریگن پریڈ تک وہ کچھ اور تھی۔ اب کچھ اور تھی۔ چشمہ دریا بن چکا تھا اور دریا ایسے پانیوں میں گر رہا تھا جس کی وسعت کی کوئی حد نہیں تھی۔

جو کچھ ان کے درمیان ہو چکا تھا وہ اب سے پہلے عام اور معمولی لگتا تھا۔ کہانی کا ایک المیہ حصہ۔ جو ہر قصے کہانی سے جڑا ہوتا ہے اور پھر سے سب خوش۔ اور اب جب واقعی عالیان کسی اور کے سر ہو رہا تھا تو سب خوش فہمیاں، غلط فہمیاں دور ہو گئی تھیں۔ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ حقیقت، سوچوں اور اندازوں سے کہیں آگے کی چیز ہوتی ہے۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے شاپر کو دیکھا۔ ”کیا وہ اتنے سے عالیان پر راضی ہو جائے گی۔“
”نہیں۔ ہاں نہیں۔“

خود سے کئی ہزار بار یہ سوال پوچھ چکے اور اس کا جواب جان چکے اور اپنا سب کچھ ہار چکے عالیان کو جیتنے کے لیے اس نے ایک آخری جواب بھی کھیل لینا چاہا۔
اس کے خاندان کو حسب نسب چاہیے تھا اور

اسے وہ۔
خاندان کے نام پر اس کے پاس کچھ تو ہو گا۔ کوئی تو۔ اور نہ جانے وہ کوئی کتنا معتبر ہو کہ اعتراض کا سوال ہی نہ اٹھے۔

وہ دیر اکوہاں کہہ چکا ہے تو نہ بھی کہہ دے گا۔
امرہ کی ہاں کے بعد کسی نہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔
اس نے کوٹ کی جیب سے فون نکالا اور کلنی دیر تک اسے دیکھا۔ وہ پہلے بھی ایک بار اس نمبر پر فون کر چکی تھی۔ اسے کچھ نہیں بتایا گیا تھا، بلکہ الٹا انہیں یہ شک ہو گیا تھا کہ وہ صرف پیسوں کے لیے یہ ظاہر کر رہی ہے کہ وہ ان کی مدد بھی کر سکتی ہے۔

برنگ مین اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور اسے یہ بتانے لگا کہ اب اسے ساری زندگی اسی کی طرح جلنا ہو گا۔ اور برنگ مین یہ نہیں جانتا تھا کہ آگ سے جل جانا جدائی کی آگ سے بہت کم تکلیف دہ ہوتا

نیویارک شہر کا مقامی ریسٹورنٹ ہے جس کی چھت کی زیبائش آنے والوں کو سر اٹھا کر دیکھنے پر مجبور کر دیتی اور جس کے سائے تلے بیٹھ کر کھانے میں وہ راحت محسوس کرتے ہیں۔ ہال میں پھیلی میزوں پر بیٹھے لوگ کھانے کو محبت اور نرمی سے برت رہے ہیں اور اپنے سامنے بیٹھے شخص کی آنکھوں میں دیکھنے کو پسند کر رہے ہیں۔ افراتفری کو وہ باہر چھوڑ آئے ہیں اور فرش سے چھت تک تنی بیٹھے کی دیواروں سے دکھائی دیتی نیویارک شہر کی روشنیوں کو اپنے ساتھ ساتھ لیکن پس منظر میں رکھتے ہیں۔

وہ بلندی پر ہیں اور یہی تو انہیں پسند ہے۔
سامنے ہال کی اس دیوار کے سامنے جس پر مقامی مصور نے اپنا شاہکار ثبت کیا ہے کی وہ فٹ اونچی ڈائس پر مائیک کے سامنے سفید فرائڈ میں لمبوس وہ کھڑی ہے۔

”میری شام بنام عالیان۔“ اس نے یہ فقرہ مسکرا کر کہا، لیکن وہ آواز کو زیادہ بلند نہیں کر سکی اور اس نے اپنی نظریں میزوں پر جی بلوری شمعوں پر بھٹک بھٹک جانے دیں۔

”پہلی بار میں تب چونکی تھی جب اسانمنٹ بناتے میں تھک کر رک گئی، اور ہاتھ میں پکڑے پین سے میں نے عالیان لکھا اور پھر میں نے صفحے کو اس نام سے بھر دیا اور میں ذرا نہیں تھکی۔ اپنے علاوہ کسی اور کا نام لکھنا، یہ کام کرنا مجھے اچھا لگا۔ پھر جب وہ نوٹ میڈ میرے لیے بے کار ہو گیا تو بس میں نے اس ایک صفحے کو نکال کر سنبھال لیا۔“

ریسٹورنٹ اپنے قیام کی سالانہ تقریبات کا ایک سلسلہ شام بنام مینا رہا تھا اور وہاں موجود لوگوں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس شخص کے نام کا اعلان کریں جو دنیا میں ان کے لیے سب سے زیادہ خاص ہونے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

”چند سالوں بعد مجھے اپنی اس حرکت پر ہنسی آئے گی۔ مجھے اب بھی آرہی ہے، لیکن مجھے اس ہنسی پر کوئی شرمندگی نہیں۔“ کہہ کر وہ رک گئی۔ اسے اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسے اچھے الفاظ کا استعمال کرنا چاہیے۔ اس نے سوچا۔

”میں زندگی میں اتنی پریکٹیکل رہی ہوں کہ مجھ میں وہ احساسات ہی کم ہونے لگے جو نان پریکٹیکل ہوتے ہیں۔ پہلے میرا خیال تھا کہ میں ایسے شخص سے شادی کروں گی جو پایا کی طرح کا ہوگا۔ شاید ہر لڑکی ہی ایسا چاہتی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ میں کبھی اپنے پایا جیسے انسان سے نہیں مل سکوں گی اور ابھی تک ملی بھی نہیں اور اب یہ اتنا ضروری بھی نہیں رہا۔ مجھے ذہانت سے لیتا دیتا تھا اور یہ عالیشان کامیڈان تھا، لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ اس کی سائیکل کے پیچھے بیٹھے جب میں نے اسے پکڑنا چاہا اور پھر میں نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ مجھے خیال آیا کہ وہ برا مان جائے گا اور اس خیال کے آتے ہی مجھے خبر ہوئی کہ مجھے اس کی یہ ہی بات اچھی لگتی ہے۔“ وہ ہنسی اور رک گئی اور ہلکے سے گردن کو خم دیا اور ایسا کرتے اس کے کھلے بل لہرا گئے۔ آج اس نے ترچھی مانگ نکال کر سامنے سے بالوں کی لیٹ کو اٹھا کر اسے بل دے کر چمکدار سنہری پن لگائی تھی۔ وہ وہاں اپنی ساری خوب صورتیوں اور مترنم آواؤں سمیت موجود تھی۔

”میں ابھی تک اس کی سب اچھی باتوں کی فرست نہیں بنا سکی اور ایسا مجھے کرنا بھی نہیں۔“ ہاتھ کو ہلکا سا لہرا کر اس نے ایسے اشارہ کیا کہ ہال میں ہلکی ہنسی کی آوازیں گونج اٹھیں۔

”میرا خیال تھا کہ وہ یونی میں بس ایسے ہی مشہور ہے جیسا کہ خوب صورت اور ذہین اسٹوڈنٹس ہو جاتے ہیں۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ ہر تیسری لڑکی کا اس پر کرش ہے اور ہر دو سری لڑکی خود کو اس پر کرش سے پہچانا چاہتی ہے اور ہر پہلی لڑکی کے بارے میں میں ابھی تک نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا کرتی ہوگی۔“ ہال میں ہنسی پھر گونجی اور اس بار دیر تک گونجتی

رہی۔ سب اسے توجہ سے سننے پر خوش تھے۔ ”اور مجھے کبھی اس خط کی سمجھ نہیں آئی۔ معلوم ہوا تو یہ کہ اس میں کچھ تو ہے، کچھ بہت زیادہ، جب اسے غصہ آتا ہے تو وہ گہرے سانس لیتا ہے اور سختی سے اپنا منہ بند کر لیتا ہے اور میرے نزدیک یہ ہی اصل طاقت ہے۔ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو ایک انسان کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دینے کی طاقت رکھتے ہوں گے، لیکن ایسے کتنے لوگ ہوں گے جو زبان کو ہلانے کی معمولی، لیکن بے بس کر دینے والی قوت کو قابو میں رکھتے ہوں گے۔ میں نے جب جب اسے کچھ سنانا چاہا اسے ہمہ تن گوش پایا۔ اسے بد مزاج اور چڑچڑاتے نہیں دیکھا۔

ہاں اگر مجھے فرست تیار کرنی ہی ہو تو میں اس کے اخلاق کو سب سے اوپر رکھوں۔ وہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔ اگر میں ایک آئرن لیڈی ہوں، جیسا کہ میرے بارے میں کہا جاتا ہے تو میں اس کے سامنے خود کو صرف انسان محسوس کرتی ہوں۔ وہ وہی سانچہ ہے جو لفظ انسان پر پورا اترتا ہے۔ اس کی موجودگی میں وقت جلدی گزرتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں وقت کو اس تک لے جانے کی تمنا کی جاتی ہے۔ پایا کہتے ہیں وہ انسان بلاشبہ خوش قسمت ہوتا ہے جس کے گرد خاندان کا جھرمٹ بچتا ہے۔ میں اس میں اضافہ کرنا چاہوں گی کہ وہ خاندان خوش قسمت ہوگا جس کا جھرمٹ عالیشان کے گرد بچے گا۔“

اس کی آنکھوں کی چمک اتنی بڑھ گئی تھی کہ عین اس کے سر پر لگے فانوس کی چمک کو مانند کرنے لگی تھی۔

”تو میں نے سوچنے میں زیادہ وقت نہیں ضائع کیا۔ اکثر لوگ کر جاتے ہیں نا اور میں نے اس چیز کا انتظار بھی نہیں کیا کہ وہ مجھ سے آکر کہتا۔“ اوّل کر زندگی گزاریں۔“ مجھے اندازہ تھا کہ اب مشکل سے ہی وہ کسی سے یہ کہے گا۔ ایک بار کہہ کر اس کے ساتھ کافی برا ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے کہہ دیا۔ مجھے کہہ لینے دیں کہ میں خوش ہوں اور مطمئن بھی، کیونکہ

میری ماما نے ایک بار کہا تھا۔ ”شادی اس انسان سے کرنا جس کی تمہیں نگرانی نہ کرنی پڑے۔“ میں نے ابھی کہا کہ اس کے اخلاق کو میں سب سے اوپر رکھتی ہوں تو مجھے ایسے اخلاق کے حامل انسان کی نگرانی کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئے گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان ہی لوگوں میں سے ہے جو انسانوں کو استعمال نہیں کرتے، کیونکہ وہ انہیں کوئی چیز نہیں سمجھتے۔ وہ جھوٹ بول لیتا ہے اور ایسے بولتا ہے کہ شہادتیں دیتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس سے مل کر میں نے ایک بات سیکھی کہ بہر حال یہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو کس قدر خوب صورت بنا سکتا ہے۔“

اسے تین منٹ کا وقت دیا گیا تھا جیسا کہ سب کو دیا گیا تھا، لیکن وہ بیس منٹ لے چکی تھی اور ابھی بھی بول رہی تھی۔ بولنے والا شخص خاموش ہونے کو تیار نہیں تھا، تو شہر کی روشنیوں کو پس منظر میں رکھ کر بیٹھنے والے لوگ اسے روکنے پر آمادہ نہیں تھے۔ وہاں اس شخص کا ذکر کیا جا رہا تھا جس کے بارے میں بولتے اور سنتے وقت سے ٹھہر جانے کی گزارش کی جاتی ہے۔

مائیک کے پاس کھڑے اس کے گال گلابی ہو چکے تھے۔ اس نے محبت کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا اور کسے خبر تھی کہ اس نے یہ لفظ چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ وہاں کھانا کھانے آئی تھی یہ سب کہنے نہیں، لیکن اگر کہہ دیا تو اچھا ہی کیا۔ شاید بہت اچھا کیا۔

برنگ مین ٹائٹ ہے اور اس کے گرد ویرا گول گول گھوم رہی ہے۔ اس کی سماعتوں نے ہونی کی چاپ سن لی تھی اور اسے صاف صاف نظر آنے لگا کہ وہ کسی اور کی زندگی میں جا رہا ہے۔

”یہ آنا اور جانا کبھی ان کے معاملے صدیوں میں طے ہوتے ہیں، کبھی پلوں میں۔“

وہ ایک مرد تھا اور اس پر یہ تصور گراں گزرتا تھا کہ اس کے سامنے اسے اپنا لینے کی خواہش کی جائے۔ یہ

حق وہ اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ یہ رسم اسے ادا کرنی تھی۔ اسے یہ برا نہیں لگا کہ اس کا حق چھین لیا گیا ہو۔ وہ ششدر سا رہ گیا۔ کوئی اسے اپنا لینے کی بات کر رہا ہے۔ امرجہ نہیں۔ بس کوئی۔ ہاں بس پھر وہ کوئی ہی ہو۔

وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس موڑ پر لے آیا تھا جس پر وہ خود کو کسی اور کے حوالے کر دینا چاہتا تھا اور دوسرے معنوں وہ کھیل ہی ختم کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن کھیل ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اسے ہر آواز بری لگ رہی تھی۔ ہر انداز پر اسے اچنبھا ہوا۔ برنگ مین جل رہا تھا اور اپنی ساری پیش اس کے اندر منتقل کر رہا تھا۔

جس زمین پر وہ کھڑا تھا وہ زمین اسے کھسکتی ہوئی لگی۔ ویرا اس کے سامنے کھڑی تھی، لیکن اس منظر نے اس کا دل نہیں لہرایا۔ وہ جس کے سامنے کھڑا ہوا تھا وہ منظر ماضی کے اوراق سے نکل کر اس کے سامنے داستان بنا کر کھڑا تھا۔

آگ سے بھرے میدان کے دائرے اس کے گرد کھینچ گئے اور لاتعداد گھنٹے اس کے سر پر بجنے لگے۔

”میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے یہ

بات سن لی تھی اور اسے یہ بات سنائی بھی نہیں دی تھی۔ یہ ایک انہونی کے ہو جانے کی سناوٹی تھی اور

ایک اعلان بھی کہ جواہرات جڑے بیش قیمت

آنکھوں کے پینڈے میں سوراخ ہو جائے تو پھر اسے

یہ غرض نہیں رہتی کہ اس میں جواہرات محفوظ کیے

جانے لگے ہیں یا کھلتے سکے، وہ تو بس اتنا جان لیتا ہے کہ

وہ ”جام طہور“ ہونے کا نعرہ کھو چکا ہے اور یہ ہی اعلان

اس صداقت کی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ جب پریم

جل سے لباب ہوئے پالا دل کے ساتھ یہ ہوتا ہے تو

اسے یہ فکر نہیں رہتی کہ اس نے کیا کھو کر اب کیا

ہونے کا اعزاز پایا ہے۔

اس کا دل اپنا نعرہ کھونے جا رہا تھا اور یہ کیفیت بہت

ہیبت ناک ہوتی ہے۔ دل میں پہلی بار آنے والے کو ہم

آخری سانس کے بعد بھی نکالنا نہیں چاہتے۔ اس عمد

کو کر کے توڑنا ہی نہیں چاہتے۔ اپنا آپ بے معنی اور

بودا لگنے لگتا ہے، کیونکہ ہمارا دل پڑھی جانے والی کہانی کا کوئی کردار نہیں ہے، جسے پڑھتے پڑھتے اس پر لعن طعن کی جاتی ہے اور اس پر وہ حرف بھیج کر ساری ہمدردیاں باوقار لٹا دی جاتی ہیں۔ دل اپنی کہانی قاری بن کر پڑھ ہی نہیں سکتا اور اگر ہم کسی ناقد رے کو سزا دینا چاہتے ہیں تو بہت جلد یہ جان لیتے ہیں کہ سزا تو ہم نے اپنے لیے تجویز کر لی اور تکلیف سب سے زیادہ ہم بھگت رہے ہیں۔ ناقد را اور ناشکرا ہی سہی اس کے آگے پیچھے محبوب کا لفظ لگتا ہے اور یہ وہ لفظ ہے جس کے وزن پر کوئی دوسرا لفظ پورا اترتا ہے نا آدھا۔

اس نے اپنی ماں کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتی تو اس کے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔ امرجہ پر یہ الزام لگایا کہ وہ ولید البشو جیسی ہے اور خود اپنے بارے میں فیصلہ اسے اب کرنا تھا۔ اب وہ کیا چاہتا ہے؟ ویرا۔

اس نے اس کے ہاتھ کو نرمی سے چھوا۔ ”جواب کے لیے اصرار نہ کرو۔ مجھے وقت دے۔“

”جتنا چاہے وقت لے لو صرف اتنا بتا دو کہ میں تمہیں اچھی لگتی ہوں؟“ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر معصومانہ انداز میں کہنے لگی۔

وہ بہت پیاری تھی۔ پر خلوص اور معصوم۔ اگر وہ ویرا نہ ہوتی تو اس کے لیے وہی امرجہ ہوتی۔

”ہاں۔ تم بہت اچھی لگتی ہو مجھے۔“ اس نے خوش دلی سے کہا اور وہ اتنی زیادہ خوش ہوئی کہ اسے حیران کر دیا۔ وہ اتنی چھوٹی سی بات راتنی خوش ہو گئی تھی اور امرجہ اتنی اہم بات سن کر مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ وہ ویرا کے لیے اتنا اہم تھا اور امرجہ کے لیے اتنا غیر اہم۔ اسے اس کی دوستی کی ضرورت تھی اور وہ اسے ایک اچھا دوست بنا کر نہیں رکھ سکی تھی۔ اس نے ویرا کی طرف دیکھا جو کھڑے ہو کر سب کی تالیوں کا جواب خود بھی تالیاں بجا کر دے رہی تھی، سر ہلا کر بے طرح مسکرا رہی تھی۔

جسے زندگی میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے، اس کے لیے ایسے ہی مسکراتا چاہیے۔ پہلے اس پیغام

کو عزت دی جانی چاہیے، پھر اس قبولیت کا احترام کرنا چاہیے۔ اس پر بہت سے اور اک ہو رہے تھے۔ اسے ان پر کلن بھی دھرنے چاہیے تھے اور پھر فیصلہ کرنا چاہیے۔

لیکن جو فیصلہ بے اختیاری میں ہوتا ہے اس میں ایسا کیا ہوتا ہے جو اختیاری فیصلے میں نہیں ہوتا۔

اس نے گھوم کر چار اطراف نظر ڈالی اور اس کی ساری دلچسپیاں ہی ختم ہو گئیں۔ ہر طرف اسے ایک ہی چیز نظر آئی، آگ۔

”برنگ مین خوش قسمت ہے، وہ کتنی آسانی سے ختم ہو رہا ہے۔“

ویرا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ میں نرمی تھی، پھر بھی اس کے وجود پر پہاڑ اگر وہ ویرا کی ساری خوبیوں کا معترف تھا، پھر بھی اس نے بھاگ جانا چاہا۔

وہ ایک خوب صورت لڑکی تھی، اس پر مسکراہٹ بھجی تھی۔

وہ ایک خوب صورت مرد تھا، وہ اپنی مسکراہٹ گنوا رہا تھا۔ یہ اگلی رات ہے۔ وہ ہارٹ راک کے اسٹور میں بند ہے۔ زمین پر بیٹھا ہے۔ اس نے اپنی ماں کو اندھیرے میں موجود پایا۔ ایسا اس نے خود چاہا اور اس نے اس سے کئی سوال کیے۔

”یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ میں آپ کا خون ہوں یا اس لیے کہ قدرت کا آپ سے انتقام ابھی پورا نہیں ہوا؟“ اس نے آواز سے الفاظ ادا کیے۔

ڈی جے کے Mash up کی آواز اس کے الفاظ سے زیادہ پراثر نہیں تھی۔

”میں ایک انسان ہوں ماما! اور میں سب کچھ ٹھیک ٹھیک نہیں کر سکتا۔ جو مجھے ٹھیک لگ رہا ہے ہو سکتا ہے وہ غلط ہو اور جو غلط ہے وہ ٹھیک ثابت ہو جائے۔ میں خود کو کتنا بھی عقل مند سمجھوں، مجھے یہ یاد رہتا ہے کہ بہت سے معاملات میں عقل کا عمل دخل ہوتا ہی نہیں ہے۔ میرے دل کے ایک حصے میں یہ بات نقش تھی کہ آپ نے بے وقوفی کی۔ اب میرا یہ دل مجھے یہ یاد دلاتا ہے کہ میں بے وقوفی کر رہا ہوں۔ لیکن کہاں

اور کیا مجھے ٹھیک سے اندازہ نہیں ہو رہا۔ میں آپ کے ماضی میں جیسے لگا ہوں اور میرا حال ماضی بن رہا ہے۔ میں زندگی میں دوبار انتہائی تکلیف سے گزرا جب آپ کو سرد ہوتے دیکھا اور ایک تب جب امرحہ کے دل کو اپنے لیے سرد پایا۔ اس دوسری تکلیف نے مجھے پہلی تکلیف بھلا دی۔ میں آپ کی اور اپنی محبت میں پھنس گیا ہوں۔ آغاز میں نہیں۔ انجام میں۔ سائی کہتا ہے کہ میں نے امرحہ کو معاف نہیں کیا۔ میں نے معاف کر دیا ہے۔ لیکن آگے کیا۔

اب میں اس پر سوچ رہا ہوں کہ آگے کیا؟ ایک پُر خلوص دل ویرا کو مایوس کردوں یا ایک سخت دل امرحہ کے لیے خود کو تنہا کر لوں۔ یہ ایسے بھی ہے کہ میں ایک ایسے دل کے پیچھے بھاگوں جو مجھے ضمانت کے طور پر چند لفظ بھی نہیں دیتا۔ سائی کہتا ہے کہ یہ اس کی روایات ہیں جو وہ ایسے پابند ہے۔ تو ملا ایک انسان جس کی چاہت میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اپنے جذبے کو روایات سے اوپر لے جائے۔

کیا ایک انسان ہر شے سے بلند نہیں رکھا جاسکتا۔ کیا ایک انسان کو ارفع بنانے کے لیے اس طاقت، محبت کا استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیا ایک انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے برتا نہیں جاسکتا۔ ایک انسان کتنا قیمتی ہے یہ مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے جس نے آپ کو کھو دیا، جو اپنا آپ کھونے جا رہا ہے۔ کیا آپ کے محبت سے لبریز دل کے مقابلے میں کائنات کی کوئی چیز ٹھہر سکتی ہے۔ اور کیا یہ کہا نہیں جاتا کہ جس نے ایک انسان کو پالیا اس نے سب پالیا۔ تو کیا میں وہ انسان نہیں ہوں جسے پا کر سب پالیا جائے؟ میں امرحہ کے لیے یہ انسان کیوں نہیں ہوں؟

”سائی دوبار گھر آچکا ہے تم کہاں تھیں؟“ اس کی شکل دیکھتے ہی سادھنا پوچھنے لگی۔

”میں جاب پر تھی۔“

”آج چھٹی ہے اور تم صبح ہی گھر سے نکل گئیں

کہاں گئی تھیں تم؟“

”ایسے ہی خریداری کرنے؟“ وہ نشست گاہ کے سامنے کھڑی تھی۔

”اتنی صبح؟“

”اتنی بھی صبح نہیں گئی تھی۔“

”اپنے کمرے کی کھڑکی سے میں نے تمہیں جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا، میں آریان سے بات کر رہی تھی۔“

”کیسا ہے آریان اب؟“

”سائی کہہ رہا تھا وہ اسٹور بھی گیا تھا۔ تم وہاں بھی نہیں تھیں وہ بہت پریشان تھا۔“

”میری فون پر اس سے بات ہو چکی ہے۔“

”میں نے اس سے پوچھا کہ تم دوبار آچکے ہو فون پر امرحہ سے رابطہ کیوں نہیں کرتے تو وہ خاموش رہا۔

وجہ کچھ اور ہے نا؟“

”بس ایسا ہی پاگل سا ہے وہ۔“ وہ چلتی اپنے کمرے تک آگئی، پیچھے پیچھے ہی سادھنا تھی۔ امرحہ نہیں چاہتی تھی کہ سادھنا اس کے کمرے میں آئے۔ اس کے کمرے کی حالت کچھ ایسی اچھی نہیں تھی۔

”تم کہیں جا رہی ہو؟“ کمرے میں آتے ہی سادھنا کی نظریں پر رکھے سوٹ کیس پر گئی۔

”نہیں۔ اب نہیں۔“ جو توں کا شاپر اس نے ایک طرف رکھ دیا۔

سادھنا نے ایک سوٹ کیس اٹھا کر دیکھا۔ ”یہ کافی

وزنی ہے۔“

”ان میں فالتو کا سامان ہے میں چیرٹی کے لیے دے رہی ہوں۔“

”یہ دو اتنے بڑے سوٹ کیس۔ چیرٹی؟“

”ہاں۔“ جھوٹ بولتے وہ ذرا نہیں کھبرائی۔

”تم کچھ چھپا رہی ہو امرحہ؟“ وہ اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

”نہیں سادھنا! میں کچھ نہیں چھپا رہی۔“ خود کو بہت بروقار بنا کر اس نے کہا۔

”پھر کیا کرتی پھر رہی ہو۔ اتنی صبح کیوں نکلی تھیں تم گھر سے؟“

”اپنے لیے نکلی تھی۔ اپنے خاندان کے مان سمان کے لیے۔“ اس کا انداز ملخ ہو گیا۔
”کچھ ہوا ہے کیا۔“ سادھنا چونک گئی۔
”کچھ کیا؟“

”تمہاری آنکھیں سرخ ہیں اور تمہارا چہرہ۔“
”ماتم زدہ!“ وہ طنزیہ ہنسی۔ ”ہاں ایسا ہی ہے۔“ کہتے
اس نے نظریں نہیں چراہیں۔ ”تم کچھ اور نہیں دیکھ
رہیں سادھنا؟“

”کچھ اور۔“ سادھنا کی پیشانی کی کھال سمٹ گئی۔
”کیا میں تمہیں بدلی بدلی جرات مند نہیں لگ
رہی؟“

”نہیں۔ تم مجھے نڈر لگ رہی ہو۔“ اس کے
چہرے کے عضلات سکڑ گئے۔

”ایک ہی بات ہے۔“ امرجہ بیٹھ کر اپنے جوتے
کے تسمے کھولنے لگی۔

”نہیں۔ جرات مند بہادر کو کہتے ہیں اور نڈر نہ
ڈرنے والے کو۔ بے حس کو بھی۔“ تسمے کھولتے
امرجہ کے ہاتھ رک گئے۔ ”تم نے کس کتاب میں نڈر
کو بے حس پڑھا ہے؟“ تسموں کی گرہ کھولنے کے
بجائے اس نے گرہ لگادی۔

”اپنی زندگی کی کتاب میں۔“ سادھنا نے دیکھ لیا
کہ اس نے گرہ لگادی۔

امرجہ سر اٹھا کر سادھنا کو دیکھنے لگی۔ ”تم نہیں
سمجھو گی۔“

”میں نے بھی اپنی بہن سے یہ ہی کہا تھا۔“ تسموں
میں ایک اور گرہ لگ گئی۔

”کیا وہ عالیان ہے؟“ دوسری گرہ لگتی بھی سادھنا
نے دیکھ لی تھی۔

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ”کیا تمہیں عالیان پسند
نہیں؟“

”میرے بیٹے کو زندگی دینے والے فرشتوں میں
سے ایک وہ بھی ہے وہ مجھے کیوں پسند نہیں ہوگا۔“

”تو تم نے سوال ایسے کیوں کیا جیسے تمہیں
اعتراض ہو۔“

”ہمیں ہی تو اعتراض نہیں ہوتا امرجہ۔“
سادھنا اتنی ذہین ہوئی امرجہ کو اندازہ نہیں تھا۔
ایک لفظ ہمیں۔ میں ساری بات سمیٹ دی۔ پوری
توجہ اس نے تسمے کھولنے میں لگادی اور اٹھ کر
وارڈروب تک آئی، لیکن پھر یہ سوچ کر نہیں کھولی کہ
خالی وارڈروب سادھنا نے دیکھ لی تو مزید سوال کرے
گی۔

”مجھے کوئی تو جواب دو۔“ وہ دونوں ایک ہی خطے
سے تھیں اور سادھنا اپنی طرف سے اسے وہ سب
سمجھانا چاہ رہی تھی جو خود اس نے بعد میں سمجھا تھا۔

”مجھے اعتراض نہیں ہے سادھنا۔ اور میری بلا
سے ساری دنیا کو ہو۔ تھوڑا بہت اگر عالیان کے آگے
پچھے کا پتا چلے تو ٹھیک، ورنہ اب مجھے کوئی پروا نہیں۔

مجھے اپنے دل کے سوا کسی کی بھی پروا نہیں۔ میں نے
دیکھ لیا ہے اسے کھو کر کیسا لگتا ہے اور اس احساس کے
ساتھ جینے کی مجھے کوئی خواہش نہیں، میری آنکھوں
سے دیکھو مجھے اس کے علاوہ اب کوئی نظر نہیں آ رہا،

میں پہلے ہی بہت برا کر چکی ہوں، پھر نہیں کروں گی۔“
”تم نے اپنے دادا سے بات کی۔“ سادھنا کو سن کر
حیرت نہیں ہوئی۔

”کی تھی اور جواب وہی آیا جس کی توقع تھی،“ انہیں
ایک اچھے انسان سے مطلب نہیں ہے،“ انہیں ایک
اچھا خاندان چاہیے۔“ تیز آواز میں کہہ کر وہ واش
روم میں چلی گئی، تاکہ سادھنا کمرے سے چلی جائے۔

وہ زبان سے کہہ رہی تھی کہ وہ بہادر ہو گئی ہے اور
واش روم میں وہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی بلکہ فون کرنے
سے پہلے اس نے اپنے دماغ کو سلا دیا تھا۔ اس سے پہلے
بھی جب اس نے فون کیا تھا تو وہ گھبرا رہی تھی۔

”ہیلو۔ ہاں۔ جی۔ نہیں میں اپنا نام نہیں بتاؤں
گی۔ مجھے صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ مارگریٹ کی اولاد
کے بارے میں کون معلوم کرنا چاہتا ہے؟“

”تمہیں اس بارے میں فکر مند نہیں ہونا
چاہیے۔“ کھر درے انداز سے کہا گیا۔

”اگر مجھے کچھ معلومات مل جائیں تو شاید میں کچھ

کر سکوں۔“ اس نے بات بتائی۔

”پیسے دیے جائیں گے معلومات نہیں۔“

”میرا صرف ایک سوال ہے۔ کون ہے جو یہ سب جاننا چاہتا ہے۔ مارگریٹ کا شوہر؟“

”ٹھوڑی دیر خاموشی رہی اور پھر فون بند کر دیا گیا۔ اس نے لوکل فون بوتھ سے فون کیا تھا۔ لیکن اس بار اس نے اپنے موبائل سے فون کیا تھا۔

”میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس کے فوراً بعد مجھے بتایا جائے گا کہ کون یہ سب معلوم کرنا چاہتا ہے؟“

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر اسے ہولڈ کر دیا گیا۔“

”عالیان مارگریٹ اسٹوڈنٹ آف مینجسٹر یونیورسٹی ایم بی اے رہائش Anselm ہال۔“ وہ روانی سے بول گئی کہ مبادا وہ اپنا ارادہ ہی بدل دے۔ ”اب مجھے میرے سوال کا جواب دیں۔“ خوف نے یک دم اس کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔

”عالیان کا باپ۔“ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔ اس نے بہت پر سکون سانس لی اس کے دل کا سارا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

اب اس کا باپ غیر مسلم ہو تو بھی وہ موجود تو ہو گا۔ اس پر موجود سوالیہ نشان تو مٹے گا وہ دادا کو منانے کی کوشش کرے گی کہ وہ ایک مسلمان سے شادی کرنے جا رہی ہے۔ باقی کی گنجائش اگر نہیں بھی نکلتی تو اب وہ اس بارے میں نہیں سوچے گی۔ بہت سوچ لیا بہت رولیا اور یک دم سے اسے خیال آیا کہ اسے معلوم ہوا تھا کہ عالیان کے کانڈزات میں دو مذاہب لکھوائے گئے تھے۔ ایک مذہب اسلام تھا۔ یعنی اس کا باپ مسلمان ہی تھا۔ اس سوچ نے اسے اور ہلکا پھلکا کر دیا۔ اس نے اپنا داغ منفی سوچوں سے آزاد کر دیا اور اپنا مسلمان کھول دیا۔

ویرا نیویارک اپنے بھائی کے پاس آئی تھی۔

ایلسکی نے درمیانے درجے کی ایک فلم میں پوسٹ پروڈکشن کا کچھ کام کیا تھا اور اب اس فلم کا پریمیر تھا۔ روس سے اس کے ماما پاپا بھی آئے تھے۔ پریمیر رات کو تھا اور شام کو وہ پاپا کے ساتھ نیویارک کی سڑکوں پر چل قدمی کر رہی تھی۔

”تمہارے نیویارک آنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ انہوں نے ویرا کا ہاتھ اپنے بازو کے خم میں دیا اور اس کے چہرے پر دبے دبے اس جوش کو چانچا جس کے لیے وہ انہیں چل قدمی کے لیے لائی تھی۔

”میں ایلسکی کے لیے آئی ہوں اور آپ سے ملنے بھی۔“

”تم کرسس کی چھٹیوں کے لیے پیسے اکٹھے کر رہی تھیں اس ملاقات پر وہ کیسے وسٹ کر دیے؟“

”میں اتنی بھی کتنوس نہیں بیایا۔“

”تم اتنی بھی شاہ خرچ نہیں ویرا۔“

”میں آپ کو یاد کر رہی تھی۔ ملنا چاہتی تھی آپ سے۔“ ان کے بازو کو تھامے وہ پوری ان کے ساتھ چپک گئی۔

”جب جب تم مجھ سے یہ کہتی ہو مجھے محتاط کر دیتی ہو ایک سال اور چند ماہ پہلے یہ تم نے تب کہا تھا جب تمہیں مینجسٹر جا کر پڑھنا تھا۔“

”مینجسٹر جا کر پڑھنے کا فیصلہ غلط تو نہیں تھا۔“

”نہیں۔ لیکن روس میں سب ہے۔ یونیورسٹی بھی۔“

”میں نئے ماحول میں آنا چاہتی تھی۔ نئے لوگوں سے ملنا چاہتی تھی۔“

”مرحہ سے۔۔۔ کارل سے۔۔۔ عالیان سے؟“

”بالکل۔ مجھے ان سب سے مل کر بہت اچھا لگا۔“

”یہ روس میں مجھے نہ ملتے۔“

”روس میں جو روسی تم سے ملتے وہ ان سے برے نہ ہوتے۔“ رک کر انہوں نے ویرا کو حتمایا۔

”آپ ہمیشہ اسی ایک بات کا ثبوت کیوں دیتے رہتے ہیں کہ آپ بہت محبت وطن ہیں۔“

”آپ ہمیشہ اسی ایک بات کا ثبوت کیوں دیتے رہتے ہیں کہ آپ بہت محبت وطن ہیں۔“

”آپ ہمیشہ اسی ایک بات کا ثبوت کیوں دیتے رہتے ہیں کہ آپ بہت محبت وطن ہیں۔“

”آپ ہمیشہ اسی ایک بات کا ثبوت کیوں دیتے رہتے ہیں کہ آپ بہت محبت وطن ہیں۔“

”آپ ہمیشہ اسی ایک بات کا ثبوت کیوں دیتے رہتے ہیں کہ آپ بہت محبت وطن ہیں۔“

”آپ ہمیشہ اسی ایک بات کا ثبوت کیوں دیتے رہتے ہیں کہ آپ بہت محبت وطن ہیں۔“

”لوہ تو مسئلہ ذہانت ہے۔ شادی کر کے مات دینا چاہتی ہو اسے۔ ایسے ہر آدمی کی اسے؟“
”نہیں۔ نہیں۔ مجھے اس کی شرافت پسند ہے۔“

”کتنے شریفوں سے مل چکی ہو جو اس کی شرافت کو اولین کر رہی ہو؟“
”آپ جانتے نہیں کتنا سفر کر چکی ہوں میں دنیا کا۔“

”تو تم نے اپنے تجربے کی بنیاد پر اسے چننا؟“
”میں اس کا فیصلہ نہیں کر سکی۔“ اس نے جھوٹ نہیں بولا۔

”کب آنا چاہتی ہو گھر؟“
”ڈگری لینے کے بعد۔ اس کا نام عالیان ہے۔“
”لوہ۔ عالیان۔ میں اسے جانتا ہوں۔ میری بیٹی ویرا اکثر اس کا ذکر کرتی ہے۔“

ویرا دل کھول کر ہنسی اور ان کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ ”میں اکثر سب کا ہی ذکر کرتی ہوں پایا۔“
”شہو۔ مجھے اپنی یادداشت کھنگال لینے دو، میری بیٹی ویرا نے اس کے بارے میں کیا کیا کہا ہے۔“
”انہوں نے اپنی کپٹی کو مسلا۔“

”کل عالیان کی برتھ ڈے ہے اور میں پچھلے پندرہ دنوں سے مائٹ کی خاک چھان رہی ہوں اور کوئی ایک بھی تحفہ دریافت نہیں کر سکی جو اسے پسند آسکے، تو آخر میں کیا کروں۔ میں پھر سے مال جا رہی ہوں۔“
”انہوں نے ویرا کے انداز کی نقل اتاری۔“

”پاپا! وہ اور ہنسنے لگے اور زیادہ شدید سے کپٹی مسلنے لگے اور ویرا نے ان کے ہاتھ کو سختی سے اپنے ہاتھ میں بھینچ لیا۔“

”عالیان کو ساتھ لے آئیں۔“
”اس نے کہا وہ اپنی کلاس نہیں چھوڑ سکتا۔“
”تو امرجہ کو ہی ساتھ لے آئیں۔ مجھے اس سے باتیں کرنی تھیں بہت ساری۔“
”اس نے بھی کہا کہ وہ اپنی کلاس نہیں چھوڑ سکتی۔“

”میں ہوں۔ اور اس میں کیا برا ہے۔ ہر انسان کو اپنی سر زمین سے محبت کرنی چاہیے اور اس کی حمایت کرتے رہنا چاہیے، اپنی اولاد کے سامنے تو خاص کر۔“

”محبت وطن ہونے کے ساتھ محبت دنیا بھی تو ہونا چاہیے ناپایا۔ اس دنیا کا بھی کچھ حق ہے ہم پر۔“
”تمہارا نکتہ کافی اہم ہے اور مجھے پسند بھی آیا اور مجھے یہ خیال بھی آ رہا ہے کہ یہ محبت دنیا کا فلسفہ تم نے مانچسٹر آکر سیکھا ہے۔“ اپنے بازو کے خم میں موجود اس کے بازو کو اپنے دوسرے ہاتھ سے تھپک کر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”کسی سے ملوانا ہے آپ کو۔“ اس نے ایک دم سے کہہ دیا۔
”میری کچھ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔“ انہوں نے سر ہلایا۔

”کیسے؟“ وہ ہنسی۔
”تم مجھے بار بار یہ کہتی تھیں کہ تم پڑھ پڑھ کر تھک چکی ہو، تمہاری آنکھوں کے گرد جھریاں نمودار ہونے لگی ہیں۔ دوسرے معنوں میں تم بوڑھی ہو رہی ہو۔ کتابوں کے صفحات پڑھ پڑھ کر تم اوبسنے لگی ہو اور زندگی کو ایسے درس گاہوں تک ہی تو نہیں رہنا چاہیے نا۔“

وہ زور سے ہنسی۔ ”یہ سب میں مذاق میں کہتی رہی ہوں۔“
”لیکن میں سنجیدگی سے سنتا رہا ہوں، تو تمہیں شادی کرنی ہے؟“

”نہیں کرنی چاہیے؟“
”ضرور کرنی چاہیے۔“
”آپ نے پوچھا کہ کون ہے وہ؟“
”پوچھتا نہیں، ملنا چاہتا ہوں۔“
”پھر بھی۔“

”ضرور پوچھ لیتا اگر تمہیں نہ جانتا۔ کافی عقل مند ہو تم، بےوقوفی تو نہیں کی ہوگی۔“
”وہ بہت ذہین ہے۔“

”دونوں نے ایک ہی بات کہی۔ دونوں بہت اچھے دوست ہیں نا؟“

”تقریباً“۔ امرحہ نے یہ بات عالیان سے سیکھی ہے۔

”اور اس پر سختی سے عمل بھی کرتی ہے؟“ رک کر انہوں نے ویرا کو دیکھا اور ویرا نے اپنی گردن ان کے شانے سے ہٹالی۔



رات کو اس نے اپنے لیے کافی بنائی اور کمرے میں جا کر اسے یاد آیا کہ مک وہ کچن میں ہی بھول آیا ہے۔ پھر کچن سے مک لا کر سامنے رکھ کر وہ اسے پینا بھول گیا۔ پھر وہ بلاوجہ ادھر ادھر ہال میٹس کے کمروں میں چکر لگاتا رہا۔ کچھ اسے بیٹھنے کے لیے کہتے تو وہ کمرے سے ہی باہر چلا جاتا۔

دوبار اس نے اپنا بستر ٹھیک کیا، تکیے سیٹ کیے اور لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا پھر اس نے اس فلور میں جانے کا فیصلہ کیا جہاں بفتہ وار خود ساختہ تھیٹر لگا تھا، اتوار کی رات تھی اور کارل اور شاہ ویز مل کر پروفیسرز اور فریشرز کی نقل اتار رہے تھے۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے پر اپنے ڈرامے کر رہے تھے اور باقی لمبے کوریڈور میں ہال میٹس کرسیوں پر بیٹھے تھے اور گلے پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے تھے۔ درمیان درمیان میں شاہ ویز زنانہ کپڑے بھی پہن لیتا اور کسی لڑکی فریشر کا کردار نبھاتا۔ کارل نے اسے بھی کھیلا۔

”کہاں تھے تم۔ کب سے بلا رہے تھے تمہیں۔“

”بڑھ رہا تھا۔“ اس نے جھوٹ بولا۔

”چلو پروفیسر oops set کو بہت دنوں سے ہم یاد کر رہے ہیں۔“

اپنے ذہن کو بہلانے کے لیے وہ پروفیسر اوپس سیٹ بن کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں پر چشمہ لگالیا۔ بالوں کو پانی لگا کر سر پر جمالیا اور ذرا سا کب نکال کر سر کو کھجائے لگا۔ دس اسٹوڈنٹس سامنے بیٹھ گئے۔

موبائل ”Oops-oops-pick up the Call“

کی مضحکہ خیز ٹون کے ساتھ بجا۔ پروفیسر اچھی طرح جانتے تھے کہ یونی میں انہیں کیا کہا جاتا ہے۔ ٹون کی آواز پر گردن کو جھٹک کر انہوں نے ایسے تاثرات دیے جیسے کسی نے پیچھے دبے پاؤں آکر ان کی کنپٹی سے گھن لگا دی ہو ”فریز پروفیسر“ اور پروفیسر فریز۔ حرکت کا سوال ہی نہیں۔

”کس کا فون ہے یہ۔“ بلے بغیر کہا گیا۔

ایک لڑکی (شاہ ویز) نے ہاتھ اٹھا کر ذرا دور بیٹھے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس کا پروفیسر“ اس تیسرے لڑکے نے چوتھے کی طرف اور یوں دس لوگوں کے بیس بازوں کا جال بن گیا ہے جس میں پروفیسر الجھ گئے۔ فون ابھی بھی بج رہا ہے۔

ہر ایک ہاتھ کے بلند ہونے پر پروفیسر تاثرات کا مظاہرہ کرتے وہ سب کے بیٹ میں مل ڈال دیتا اور آخر میں ایک لڑکی ”کا کرویج“ جیسی بلا کو میز پر دیکھ کر ایسے چلاتی ہے کہ پروفیسر کلاس سے باہر پائے جاتے ہیں۔ کوریڈور میں بیٹھے وہ سب اپنی اپنی کرسیوں سے نیچے لڑھک چکے تھے۔

پروفیسر صاحب کے ساتھ وہ اس طرح کے (Oops) کئی بار کر چکے تھے۔

”آج تمہاری پرفارمنس ہی لا جواب تھی یا خود بھی اپ سیٹ ہو۔“

”میں ٹھیک ہوں۔“

”تم مجھے اپنے ٹھیک ہونے کے بارے میں مت بتایا کرو۔ ویسے میرا خیال تھا ویرا مجھے پسند کرتی ہے۔“

کارل نے کوریڈور کی دیوار کے ساتھ کمر نکالی اور ہاتھ باندھ لیے۔ کارل بہت سی لڑکیوں کے بارے میں یہ دعوے کرتا تھا کہ وہ دل ہی دل میں اسے پسند کرتی ہیں اور کچھ وقت بعد جب وہی لڑکی کسی بھلے انسان کے ساتھ دکھائی دیتی تو کارل کہتا کہ اس نے مجھے روپوز کیا تھا، لیکن مجھے اس کی نیلی آنکھیں پسند نہیں تھیں تو انکار کر دیا۔ بلکہ اکثر ہال میٹس یا کلاس فیلوز اسے بتاتے کہ کارل وہ جو بہتر آنکھوں والی معصوم سی لڑکی جس کا تم پر کرش تھا نا، وہ آج فلاں ریسٹورنٹ میں ایک

تھا پھر انہیں مقابلہ کرنا ہی ہوتا تھا۔ یعنی ہر صورت مقابلہ ورنہ ان کی غیرت کی موت۔

”ہاں ایک اور بار میں تمہارا اور ویرا کا بریک اب بھی کروا سکتا ہوں، تمہیں یاد ہے نا تم نے میرے کتنے بریک اپس کروائے تھے۔“

کارل کہہ کر دوبارہ سے تھپڑ کی طرف لپکا، عالیان کے تاثرات ایک دم سے بدلے۔ کارل نے مذاق کیا تھا لیکن اسے وہ ہتک یاد آگئی تھی جو ہارٹ واک میں اس کی ہوئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آگیا۔

”مرحہ۔ وہ کون ہے۔ میں اسے نہیں جانتا۔“

پھر سے پرانی تکرار۔ جب انسان کا دل ٹوٹ جاتا ہے تو ان ٹکڑوں میں جا بجا خوف و ہم بے اعتباری قابض ہو جاتی ہے۔ درزوں اور درازوں میں۔ پھر یہ درزیں پہاڑ بننے لگتی ہیں اور پھر ان پہاڑوں کو سر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اب اسی وقت وہ خود کو ان پہاڑوں میں گھرا رہا تھا، اور ان پر ”ویرا“ نام کی صدا لگا رہا تھا جو پلٹ کر ”مرحہ“ کی صورت آرہی تھی۔

ایک دروازہ اس نے اپنے اندر کھلتے پایا کہ وہ ویرا میں کتنے بھی پس پوائنٹس نکال لے، ایک پوائنٹ فی الحال شاید کبھی ان میں شامل نہیں ہو سکے گا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

اس نے خود کو وقت دیا۔ جلد بازی جھک نہیں ہوگی۔ اور آخری بار جیب وہ اس کے پاس آئی تھی تو اس کے لیے کچھ لائی تھی۔ پیغامات۔ ان میں کیا لکھا تھا اس نے یہ جاننا نہیں چاہا تھا لیکن اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کاش جیسے سے اس کے کمرے سے چرا کروا نہیں پڑھ لے۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں اس کے کمرے تک وہ بہت آسانی سے جاسکتا ہے۔



یونیورسٹی میں ویرا کے پروپونل کی خبر اسٹوڈنٹس اور گروپس میں سنی اور سنائی گئی۔ عالیان کے پروپونل کو دبے دبے انداز میں زیر بحث لایا گیا تھا۔ کیونکہ اس

ہنڈسم لڑکے کے ہاتھ سے اپنی انگلی میں انگوٹھی پہنتے پائی گئی ہے۔ افسوس اسے یہ کام بچھے دل کے ساتھ کرنا پڑا جبکہ وہ تو تمہیں پسند کرتی تھی۔“

”تو تم ویرا کو پسند کرتے ہو؟“ عالیان اس کی تاریخ جانتا تھا اسے چڑا رہا تھا۔

”میرا دماغ تھوڑا بہت کام کرتا ہے بڑی۔“ وہ فی الحال چڑنے والا نہیں تھا۔

”ویرا کا بھی تھوڑا بہت کام کرتا ہے نا بڑی۔!“

”تمہاری ناک توڑ دوں گا میں۔“ اس نے گھونسا

تپ کر کہا۔

”پھر بھی لڑکیاں تمہیں پروپوز نہیں کریں گی۔“

اپنے ہاتھ کے گھونٹے سے عالیان نے اس کے گھونٹے

کو روکا۔

”کیونکہ ان کی نظر کمزور ہے، نہیں لگتا ہے کہ تم

کوئی شہزادے و ہزارے ہو۔“

”شاید۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کی عقل کمزور

نہیں ہے، انہیں یقین ہے کہ تم کوئی شیطان و یطمان

ہو۔“

”زیادہ اچھلومت، تم میں صرف ایک خوبی ہے کہ

تم سگریٹ نہیں پیتے اور لڑکیوں کو سگریٹ سے نفرت

ہوتی ہے۔“

”اور تم میں صرف ایک خرابی ہے کہ تم سگریٹ

کے ساتھ ساتھ خون بھی پیتے ہو۔“

”تم بچ گئے ہو۔ ابھی تمہارا خون پینا ہے۔“ اس

نے اس کی گردن کو دوچا۔

”فرشتے کا خون تمہیں بد ہضمی کر دے گا۔ ہضم

نہیں ہو گا تمہیں۔“ عالیان نے اپنی گردن اس سے

دور کی۔

”فرشتے تو فرشتوں کا خون پیتے نہیں تو یہ کام مجھے

ہی کرنا ہے اور میں اسے ہضم بھی کروالوں گا۔ اور سنو

دی انجیل! اگلے ہفتے دو لوگوں کے ساتھ رہیں گے،

انعامی رقم پچیس پونڈ میں نے طے کروالی ہے۔“ اس

نے آنکھ ماری۔

ساری یونی جانتی تھی کہ وہ کیسے اسٹوڈنٹس کو بھڑکاتا

کے پروپوزل کی خبر راک سے نکلی تھی اور اس انداز میں نکلی تھی کہ اسٹوڈنٹس نے اسے کمال رحم دلی سے نظر انداز کر دیا تھا، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو عالیان کے لیے تکلیف کا باعث بنتے۔ ان سب کی ہمدردیاں عالیان کے ساتھ تھیں اور بہت سے اسٹوڈنٹس کے نزدیک امرجہ خود غرض تھی۔ بہت سوں کا خیال تھا کہ کہ ایسے تعلقات میں اتار چڑھاؤ آتے ہی رہتے ہیں اور کچھ کا ماننا تھا کہ بات شروع ہوئی اور ختم ہو گئی۔ بس۔

”اور اب یہ ویرا کہاں سے آگئی؟“ بون فائر پارٹی میں آگ کے گرد بیٹھے ان سب کے گروپ میں پلیٹ اور مک ہاتھ میں پکڑے بیٹھے شری نے کہا۔

”جب دو میں فاصلہ اتنا زیادہ ہو گا تو تیسرا تو آئے گا ہی۔“ لیلیٰ نے پیچ پیچ کے انداز سے کہا اور شری کی پلیٹ سے چکن پیس اٹھا کر اپنی میں رکھ لیا۔

”تم نے دیکھا تھا ویرا کو پروپوز کرتے؟“ شری نے بیٹی لو سے پوچھا۔

”ہاں۔ مجھے اسٹوڈنٹس کی تالیوں نے متوجہ کیا وہاں زیادہ بزنس ڈیپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹس ہی موجود تھے۔“ بیٹی لو کافی پی رہی تھی۔

”عالیان نے کیا کہا؟“ عذرا نے پوچھا۔

”اس کا جواب مبہم تھا۔ جارحیت بتا رہی تھی کہ اس نے کہا جواب کے لیے اسے کچھ وقت چاہیے۔“

”اور کیا جواب ہو گا اس کا؟“ ہانا نے سہم کر کہا۔

”ظاہر ہے ہاں۔ اگر ہاں نہ ہوتا تو ویرا کے پروپوز کرنے کی نوبت ہی کیوں آتی۔“ عذرا نے سنگ دلی سے کہا۔

”تو ثابت ہوا کہ امرجہ کو عالیان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ شری نے ہونٹ سکڑ کر رائے دی۔

”میں نے پہلے ہی کہا تھا وہ ایک کرسچن عورت کے بیٹے سے کوئی تعلق نہیں بنائے گی۔“ عذرا نے شانے اچکا کر اپنی رائے کی تصدیق چاہی اور سب کی طرف دیکھا۔

”جب وہ نئی نئی یہاں آئی تھی تو تم نے کہا تھا یہ

بہت بگڑ جائے گی۔“ شری نے عذرا کو اس کی ایک اور رائے یاد دلانی۔

”بگڑنے سے میرا مطلب تھا کہ وہ غیر مناسب کپڑے پہننے لگے گی، بارز میں جائے گی، پارٹیز انینڈ کرے گی اس کے دوستوں کے حلقے میں بہت سے لوگ ہوں گے۔ ٹھیک ہے میری رائے غلط ثابت ہوئی، اس نے ویسٹرن کپڑے پہنے، لیکن غیر مناسب نہیں، وہ ریسٹورنٹ اور کیفے میں دیکھی گئی لیکن ٹائٹ کلب میں نہیں۔“

”تو؟“ ہانا نے پوچھا۔

”تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ اپنی روایات کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ یہاں اسے کوئی نہیں دیکھ رہا، لیکن پھر بھی اس نے وہ نہیں کیا جو اکثر اسٹوڈنٹس کرتے ہیں۔ آزادی کا بے جا استعمال۔“

”اسے یہ یاد تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔“ شری نے بہت وثوق سے کہا۔

”وہ بزدل ہے۔ اگر عالیان مجھے پروپوز کرتا تو میں ساری دنیا سے لڑ کر اسے ہاں کہہ دیتی۔ بھاڑ میں جائے دنیا۔ اصول۔ قانون۔“ لیلیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

”اسی لیے اس نے تمہیں پروپوز نہیں کیا۔“ عذرا نے لیلیٰ کو چڑایا۔

”عالیان کو پوری یونی میں ایک وہی ملی تھی؟“ شری نے کہتے مک ہانا کے آگے کیا کہ خیر سے ایک مک اور کافی لادے۔

”ویرا کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ ہانا مک لے کر اٹھتے ہوئے بولی۔

”ویرا کی شخصیت کا ریکارڈ اتنا صاف ہے کہ اسے انکار کرنا بے وقوفی ہوگی۔“ عذرا نے کہا۔

”مجھے کہانی کے کھانچے کا انتظار ہے۔“ ہانا واپس آکر بیٹھ گئی۔

”مجھ سے سن لو۔ عالیان ویرا کو ہاں کہے گا۔ امرجہ کو عالیان کی پروا ہوئی تو وہ ایسے اس کی بے عزتی نہ کرنی۔ کس انداز میں وہ عالیان کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ چھوٹے ذہن کی۔“ عذرا نے نخوت سے کہا۔

”اگر امرجہ ایسے اس کی بے عزتی کر چکی ہے اور اسے عالیان سے کوئی مطلب نہیں تو وہ عالیان کے پاس بار بار جاتی کیوں رہی ہے؟“

”اس کا ضمیر ملامت کرنا ہو گا۔ شادی تو وہ اپنے پیار کی مرضی سے ہی کرے گی۔“ شری نے ایسے کہا جیسے وہ امرجہ کو اچھی طرح سے جان گئی ہے۔

”تو پھر عالیان کو اتنا پاگل بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہر وقت عالیان اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔“ ہانا کے انداز میں ساری ہمدردیاں عالیان کے لیے تھیں۔

”ضرورت نہیں خود غرضی۔“ عذرا نے سر کو جھٹک کر کہا۔

”وہ خود غرض نہیں لگتی۔“ ہانا اب امرجہ کی ہمدرد ہو گئی تھی۔

”لگتی نہیں لیکن ہو گئی ہوگی۔ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی لڑکا ایسے آگے پیچھے ہو تو کوئی بھی ہو سکتا ہے۔“

”ویسے مجھے امرجہ نے کافی کمبلکس دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسی بوئگی لڑکی میں اسے ایسا کیا اچھا لگا ہے۔“ تھوڑی دیر خاموش رہ کر جیسے عذرا نے اقرار کیا۔ اب اس کے بل کافی بڑے ہو چکے تھے اور اس پر بہت سنج رہے تھے۔

چاروں نے قدرے حیرت سے عذرا کو دیکھا کہ کیا وہ مذاق کر رہی ہے، لیکن مذاق کے آثار نظر نہیں آئے۔

”شاید اس کا بونگا پن۔“ شری ہنسنے لگی اور آگ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔

”وہ کتنا تو میں بھی بھولی بن جاتی۔“ اف عذرا کا سنجیدہ انداز۔

”تم کہنے سے بنتیں وہ بنی بنائی تھی۔“ للی نے کہہ کر قہقہہ لگایا۔

”میں سمجھتی تھی عالیان مجھے پسند کرتا ہے۔“ عذرا آج رات رو کر سونا چاہتی تھی۔

”تم یہ کیسے سمجھیں۔؟“ ہانا کو اس کی سنجیدگی پر حیرت ہو رہی تھی۔

”وہ مجھے ٹوئٹس دے کر لیتا بھول جاتا تھا۔“

”بس اتنی سی بات پر تم سمجھیں کہ وہ تمہیں۔“ ہانا نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی جبکہ عذرا نے اسے گھور کر دیکھا۔

یہی موضوع دو اور لوگوں میں زیر بحث تھا۔ دائم اور نوال میں۔

”اب مجھے امرجہ پر ترس آتا ہے۔“ نوال نے سوپ بٹے ہوئے کہا۔

”مجھے نہیں لگتا کہ وہ عالیان کو پسند کرتی ہے۔ نجانے کیوں لیکن مجھے ہمیشہ سے ہی لگا کہ وہ مختلف خیالات کی لڑکی ہے۔“ دونوں ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔

”تمہارا مطلب عجیب خیالات کی؟“ نوال امرجہ کے ساتھ تھی۔

”شاید۔“

”عالیان کو پسند کرنے میں ایسی کون سی سائنس چلائی تھی اسے۔“

”یار سیدھی سی بات ہے۔ جب تمہارے گھر میرا پروپوزل گیا تھا تو تمہارے نانا نے کیا کہا تھا۔؟“

”کہا تو کچھ نہیں تھا انہیں تمہارے خاندان کے بارے میں کچھ معلومات چاہیے تھیں۔“

”میرا سب جو نسب۔ میری ذات۔ میری ماما کی طرف کے خاندان کے بارے میں معلومات میرے پیپا کی طرف کے خاندان کے بارے میں بھی۔“ دائم نے جتایا۔

”کم آن یار انہوں نے یہ سب ایسے ہی پوچھا تھا اور ویسے بھی وہ ذرا پرانے خیالات کے انسان ہیں اور پھر بڑے ہیں اگر کچھ پوچھ بھی لیا تو یہ کوئی ایسا بڑا ایٹو نہیں ہے۔۔۔ بس یہی خیالات امرجہ کے ہوں گے۔“

”وہ اتنی دقیانوسی نہیں ہو سکتی ماسٹرز کر رہی ہے روشن خیال ہے۔۔۔“

”چلو پھر یہ مان لیتے ہیں کہ وہ روشن خیال ہے لیکن اس کے گھر والے نہیں۔“

”تمہارا مطلب اس نے اپنے گھربات کی ہوگی؟“

”نہیں۔ بات کرنے سے پہلے ہی اسے معلوم ہو گا کہ ان کا رد عمل کیا ہو گا۔“

”آج کے دور میں یہ سب نہیں ہوتا دائم!“

”دنیا میں کہیں وہی پرانا دور ہے نوال۔ اور وہاں سب ہوتا ہے۔ تم برٹش پاکستانی ہو اور امرچہ خالص پاکستانی۔“

”میں امرچہ کو پسند کرتی ہوں، میری ہمدردیاں اس کے ساتھ ہیں۔“

”مجھے بھی وہ اچھی لگتی ہے۔ وہ بہت معصوم ہے۔“

”اس معصوم کو ہی تم نے پہلے دن رلا دیا تھا۔“

”وہ سب اس کے فائدے کے لیے تھا۔“

اپنے سب فائدے گنوا چکی امرچہ گلاس میں گم صم بیٹھی تھی کہ شہزادہ اسانے ڈیسک پر آکر بیٹھ گئی۔

”ویرا نے عالیان کو پروپوز کیا ہے۔“ اس کے ہونٹوں کے کنارے استہزائیہ ہونے اور آنکھوں سے تسخیر تھکنے لگا۔

”مجھے کیوں بتا رہی ہو؟“ اس کے انداز پر امرچہ کو آگ ہی لگ گئی۔

”ویل میرا خیال تھا تم عالیان سے تعلقات بحال کرنے کی کوششیں کر رہی ہو۔“

امرچہ نے سختی سے اپنے لب بھینچ لیے، اب کیا وہ گلا پھاڑ کر اعلان کرے کہ جو اصل حکایت ہے وہ سب اسے کبھی نہیں جان سکتے۔ کوئی کچھ نہیں جانتا نہ سمجھتا۔

”آئی لائیک ویرا۔۔۔ وہ بہت خوب صورت ہے۔۔۔ عالیان کے ساتھ سوٹ کرے گی۔ اور آخر کار عالیان کو سمجھ آئی گئی کہ اسے اپنے اسٹینڈرڈ سے نیچے نہیں گرنا چاہیے تھا۔“

”کیا ہے عالیان کا اسٹینڈرڈ؟“ اس کی آواز تیز ہو گئی جسے شہزادے انجوائے کیا۔

”کم سے کم تم نہیں۔“ وہ اور مسکرائے لگی۔

”کیوں میں کیوں نہیں؟“ وہ چلا اٹھی۔

گلاس کے سب اسٹوڈنٹس اس کی طرف دیکھنے

لگے۔

شہزادے کے ہونٹوں کے کنارے لہرائے ”تو اب تم جھلس ہو، او اچھا کیونکہ تمہارے پیچھے بھاگتے بھاگتے اب وہ کسی اور کے پیچھے بھاگنے لگا ہے۔“

”شٹ اپ!“ وہ پہلے سے زیادہ شدت سے چلائی اور گلاس سے باہر آگئی، اس کی سانس تیز تیز چلنے لگی تھی۔

”تم کہاں تھیں امرچہ؟“ اپنی طرف سے وہ بہت چھپ کر یونی کے ایک گم نام کوٹے میں بیٹھی تھی، لیکن سائی نے اسے ڈھونڈ ہی لیا۔

”مرگئی تھی میں سائی!“ اس نے طنزیہ کہا۔

”کسی بھی معاملے میں میرا کیا قصور ہے امرچہ! تم مجھ سے اس انداز میں بات کیوں کر رہی ہو۔“

”تم مجھے بتا نہیں سکتے تھے ویرا کے بارے میں؟“

”نہیں۔ میں اپنے عہد نہیں توڑتا۔ اور اگر تمہیں معلوم ہو جاتا تو تم کیا کرتیں؟“ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

”بولو کیا کرتیں۔ کیا کہتیں ویرا سے۔ اسی ویرا سے جس نے خود تمہیں سمجھایا تھا کہ عالیان کی قدر کرو اور تم اسے چپ کرواتے رہیں۔ ویرا تمہاری جگہ نہیں آئی امرچہ، تم نے اپنی جگہ خود خالی کی۔ تم سے میں نے کہا تھا کہ اگر محبت کرتی ہو تو جرات کرو۔ ایک محبت کرنے والے کو اتنا تو کرنا ہی چاہیے، ورنہ صبر کرنا یا خاموش رہنا اور کسی کو الزام مت دینا۔ تم مجھ سے نفرت کر رہی ہو، تمہیں ویرا بری لگ رہی ہے۔ اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”میں نے داوا سے بات کی تھی سائی!“ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”پھر خود کو مت تھکاؤ۔“ سائی نے ہمدردی سے کہا۔

”وہ مجھ سے ناراض ہو گئے۔ اب تک بات نہیں کی۔ دو پیاروں میں سے کس ایک پیارے کے لیے میں اپنا آپ قربان کروں تم ہی بتاؤ۔“ اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا۔

دعائیں کرو۔ ”کہہ کر سائی پلٹ آیا۔ اس کا دل برا ہو گیا تھا اور اسے امرجہ پر غصہ سا آیا تھا۔



رات کے آخری پہرہ چونک کر اٹھا۔
اس کے سینے پر مارگریٹ کی ڈائری تھی اور اس کی آنکھ میں نمی تھی۔

وہ چھت کو دیکھنے لگا پھر آس پاس اسے یہ یاد کرنا پڑا کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے۔
ان کیفیات کا شکار وہ بچپن میں ہوا کرتا تھا۔ جب بستر پر روتے روتے سو جایا کرتا تھا اور پھر سوئی جاگی حالت میں اسے لگا کرتا تھا کہ کوئی اس کے سرہانے بیٹھے سرگوشیاں کرتا رہا ہے ایسی سرگوشیاں جو اسے بوجھل نہیں کرتی تھیں اور آنکھ کھلنے پر اسے رو دینے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ وہ اس خوشبو کو بہت قریب محسوس کرتا جو مارگریٹ کے ساتھ لگ کر سونے سے اس کے اپنے اندر حلول کر گئی تھی اور جسے اس نے اپنے اندر سے کبھی جدا نہیں ہونے دیا تھا۔

وہ سرگوشیوں کی رات تھی۔ وہ مارگریٹ کی خوشبو کو بہت وضاحت سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اسے لگا وہ بس ہاتھ برہا کر اپنی ماں کو ڈھونڈ نکالے گا۔ اس نے کمرے میں اندھیرائی رہنے دیا اور خود وہ بچہ بن گیا جو اپنی ماں کے ساتھ سویا کرتا تھا اور اس نے بہت دھیمی آواز میں مارگریٹ کو پکارا۔
”ماما!“

اور پھر وہ اپنی آنکھیں مسلنے لگا۔ ڈائری کو ہاتھ سے چھوا اور لیٹ کر پھر سے اسے اپنے سینے پر رکھ لیا۔
صبح آنکھ کھلتے ہی اس نے وہ سب یاد کرنا چاہا جو رات بھر اس کے ساتھ ہوتا رہا تھا۔ کافی دیر تک بستر میں پڑا وہ ذہن پر زور ڈالتا رہا۔ کہیں سرگوشیاں تھیں کہیں امرجہ اور ویرا اور کہیں وہ خود۔
بھاگ پڑنے۔ ہانپ جانے اور رو دینے کی کیفیات غالب رہیں۔

اس نے محسوس کیا کہ وہ ذہنی طور پر کچھ زیادہ ہی

”ویرا اور عالیان۔“ سائی نے نرمی سے اسے کچھ سمجھانا چاہا۔

”ان دونوں کا نام ساتھ ساتھ نہ لو سائی۔ خدا کے لیے۔“

”تو تم حقیقت کا مقابلہ ایسے کرنا چاہتی ہو۔ خود کو بدلو امرجہ۔“

”کتنا تو بدل لیا ہے۔ تم جانتے ہی نہیں اس رات سے اب تک میں کتنا بدل چکی ہوں۔“

سائی کو اس میں کسی انوکھے پن کا احساس ہوا۔ اس کے چہرے کی تاثرات میں کچھ اور بھی نمایاں ہونے لگا۔

”میں نے عالیان کے باپ کو فون کیا ہے وہ اسے ڈھونڈ رہے تھے ان کا بھیجا ایک آدمی مجھ تک بھی آیا تھا اور اب میں نے انہیں عالیان کے بارے میں بتادیا، لیڈی مہر کو کوئی حق نہیں کہ وہ اسے اس کے خاندان سے دور رکھیں۔ عالیان کو اس کا خاندان مل جائے گا۔ دادا عالیان سے ضرور ملنا چاہیں گے۔“

سائی نے سسم کر امرجہ کو دیکھا تو اس کے چہرے پر نمایاں ہونے والا تاثر خود غرضی کا تھا۔ اس کے اپنے ہی اندر کچھ چھن سے ٹوٹ گیا۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ کاٹا۔ اگر وہ خود کو عہد توڑنے کی اجازت دیتا تو امرجہ کو بتاتا کہ عالیان اپنے باپ کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا، وہ اس کی ماں کو مرنے کے لیے چھوڑ گیا تھا اور اسے بھی۔

”یہ تم نے کیا کیا امرجہ؟“ وہ بے آواز برید لیا۔ عالیان کو اپنے باپ سے ملنا ہوتا تو وہ خود اسے ڈھونڈ لیتا۔ تم نے اپنے اور اس کے تعلق کو تابوت میں دفن کر اس میں وہ آخری کیل ٹھونک دی جو اب قوت سے نکلے گی نہ تدر سے۔ اب وہ قسمت کی رحم دلی کا محتاج ہو گا اور قسمت کو رحم دلی پر اکسانے کے لیے بہت آنسو بہانے پڑتے ہیں۔“ وہ خاموش کھڑا سوچ رہا تھا۔

”تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو سائی۔؟“
”میں چاہتا ہوں تم اپنے لیے دعا کرو۔ بہت ساری

الجماع ہوا ہے اسے خود کو معمول پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسے خود کو وقت دینا چاہیے اور خود کو تھکا دینے کے بجائے پرسکون رہنے کے طریقوں پر غور کرنا چاہیے۔

اپنا بستر اور کمرہ صاف کرنے میں اسے معمول سے زیادہ وقت لگا پھر اس نے خود کو ذرا زیادہ اچھی طرح سے تیار ہونے دیا، تاکہ وہ ہشاش بشاش نظر آئے اس نے سائی کی گفٹ کی چیک شرٹ پہنی اور کارل کا گفٹ کیا کوٹ اور بالوں کو ہینڈ جیل لگا کر سیٹ کیا۔

کارل اس کے کمرے میں آیا ”یہ لو اپنا ناشتا۔“ لیپ ٹاپ کو بند کرتے اس نے کارل کی لائی ٹرے کو دیکھا تین عدد موٹے تازے سینڈویچز اور کافی کا مک۔ ”مجھے نہیں کرنا ناشتا۔!“ اس نے ہنسی دیا کر کہا۔

برنگ مین ایونٹ میں آگ کے مختلف کرتبوں میں عالیان نے کارل کو ہرایا تھا۔ اب کارل کو اسے سچ کروانا تھا اور لنچ سے پہلے وہ اس کا پیٹ اچھی طرح سے بھر دینا چاہتا تھا جبکہ اپنی باری وہ تین تین وقت بھوکا رہا کرتا تھا۔

”آج تم فوج بھی لے آؤ تو آج میں ناشتا نہیں کروں گا۔“ عالیان نے اسے اور جلانا چاہا۔ ”فوج کا سربراہ آگیا ہے کافی ہے۔“ اس نے برہہ کر دوا زہ لاک کیا۔

”شرافت سے انہیں کھاو ورنہ مجھے تمہارا منہ کھول کر انہیں اندر ڈالنا پڑے گا اور یہ کوٹ اتار دو اس پر کلنی کے داغ لگ سکتے ہیں۔“

عالیان نے اپنا موبائل نکالا اور دو منٹ بعد لاک کھلنے کی آواز آئی۔ شاہ ویز اور سائی دروازے میں کھڑے تھے۔ عالیان نے پہلے سے ہی چالی شاہ ویز کو دے دی تھی اب اس نے موبائل پر نیل دی تھی دو نور نے کارل کی لائی ٹرے پر ہلا بول دیا اور عالیان دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا۔

”میں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ اپنی جیب بھر کر نکلتا آج۔“ لنچ میں تمہیں بھی کھا جاؤں

گا۔ ”کہہ کر وہ بھاگ گیا۔“

”اچھا کیا تم نے یہ سینڈویچز کھالیے فرسٹ فلور پر جو جو نیل ہے نا اسے میں جا کر بتا آتا ہوں کہ اس کی ناشتے کی ٹرے جو غائب ہوئی ہے وہ کہاں ہے۔“ کارل دانت نکال کر فرسٹ فلور کی طرف بھاگا۔

یونیورسٹی سے عالیان ہارٹ راک آگیا کارل نے لنچ ٹال دیا تھا وہ جانتا تھا کارل ایک دو دن ایسے ہی ٹالے گا پھر بھی وہ ایک بھاری بل کی ادائیگی سے نہیں بچ پائے گا۔

ہارٹ راک میں داخل ہوتے ہی اسے سامنے منیجر کھڑا نظر آیا جو غیر معمولی بات تھی اس کے تاثرات کافی حیران کن تھے اور اس کی آنکھوں میں ایسا اچنبھا تھا جیسے وہ پہلی بار عالیان کو دیکھ رہا تھا۔

”تم ٹھیک ہو؟“ کارل نے شرارت سے اس کی ٹھوڑی کو چھوا۔

”ہاں۔!“ اس نے بھی مسکرانے کی کوشش کی۔

”آج کیفے خالی کیوں ہے کوئی ایشو؟“

”ٹراسیوٹ بکنگ“ کہتے اس نے ترچھی نظروں سے تن کر کھڑے اور چاق و چوبند نظر آتے دو گارڈز نما آدمیوں کو دیکھا۔

”لوہ۔“ اس نے سیٹی بجائی۔ ”پورا کیفے؟“

”ہاں۔“

”اور اسٹاف۔؟“

”تم اس طرف چلے جاؤ۔“ منیجر نے اندر ایک ہال کی طرف اشارہ کیا۔

”اسٹاف میٹنگ ہے؟“

منیجر نے اس کا سوال سنا لیکن جواب دیے بغیر وہ اپنے آفس کی طرف چلا گیا۔ منیجر کے انداز پر اسے حیرت ہوئی، لیکن پھر بھی وہ اس کی ہدایات پر عمل کرتے اسٹاف میٹنگ کا سوچتے اس ہال کی طرف آگیا جس کی طرف جانے کے لیے اسے کہا گیا تھا۔

ہال میں چوکور میزوں میں سے ایک کے گرد ایک شخص قیمتی تھری پیس سوٹ میں ملبوس، عجلت کا انداز لیے اپنی گھڑی کو دیکھ رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی

واجب تھا اور اس سے محبت مجھ پر فرض۔“
اٹھ کر ملیں اور ٹھہر گئیں۔

”جب وہ سو جایا کرتا تھا تو میں جاگ جاگ کر اسے دیکھا کرتی تھی میں اپنی سانسوں کی آمدورفت کو اتنا بے ضرر بنالیا کرتی تھی کہ وہ اس کی نیند میں مغل نہ ہو سکیں اور اسے جی بھر کر دیکھتے رہنے کا میرا خواب ٹوٹ نہ جائے۔“

عالیان نے اتنا گہرا سانس لیا جسے آخری سانس۔
”جب وہ مجھے دیکھا کرتا تھا تو مجھے یقین ہو جاتا تھا کہ مجھے خاص اسی مقصد کے لیے بنایا گیا ہے۔ اگر وہ مجھے نہیں دیکھے گا تو میرے ہونے کا مقصد ختم ہو جائے گا۔“

وہ کھڑا ہوا اور چل کر اس انداز میں اس کی طرف آیا جیسے سدھاتے ہوئے جانور کی پشت پر ہاتھ پھیرنے کا ارادہ ہو۔

وہ مسہر و م (تکست خورہ) بنا کھڑا تھا کہ اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا جاسکتا تھا۔

اس کے اندر دفن بند تابوتوں کے ڈھکن جھکوں سے کھلے اور اسے صاف صاف مار کر سٹ دکھائی دینے لگی۔ رونٹا۔ ترپٹا۔ ہاتھ کاٹ لیتا۔ بڑبڑاتا۔ چلاتا۔ بھول جاتا۔ بھٹک جاتا اور پھر ”سرد“ ہو جاتا۔ آپس۔ صدا میں۔ واویلا اور خاموشی۔

”میں نے تمہیں پہچان لینے میں وقت نہیں لیا۔“
ولید البشر نے اپنے دونوں ہاتھ کہنی سے اوپر اس کے بازوؤں پر رکھے اور اسے جوش سے جھنجھوڑا۔

”اس کے ہاتھ کو ہاتھوں میں لے کر بیٹھے رہنے کے خواب میں نے ہر رات دیکھے۔ میں ہر رات ایک ہی خواب دیکھ لینے پر قدرت حاصل کر چکی ہوں۔ جو بھی سے میں ہر رات اہتمام سے اس خواب کے لیے خود کو تیار کرتی ہوں۔“

”تم میں میری کتنی شباهت ہے۔“ ولید البشر نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ عالیان بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”اس کے لوٹ آنے کی دعائیں میں نے اتنی

ٹھوڑی کو مسل رہا تھا۔ اس کا سر اس انداز میں اور ایسی بے نیازی لیے ہوئے اٹھا ہوا تھا جیسے اس کی سلطنت کی رعایا سامنے زمین پر بیٹھی تھی اور وہ ان پر اپنے من چاہے احکامات نافذ کرنے جا رہا تھا۔ اس کا پہلا تاثر مطلق العنان کا تھا اور اگلا تاثر پہلے کی گواہی۔

سامنے میز پر پرچ میں کافی کپ اونڈھا پڑا تھا۔ ہال کے دروازے کے رخ وہ ترچھا بیٹھا تھا۔ آہٹ پر احکام صادر کرنے والے اس شخص نے سراٹھایا۔ اور عالیان پر اس کی طرف آنے والی روشنی روک لیتے وجود کی حقیقت کھل گئی۔

سیاہ تل نے ساریاں روشنیاں کسی سیاہی چوس کی طرح جذب کر لیں۔

چھناکے سے ہال کی چھت سے جھولتے گول قمقمے ٹوٹے۔

کرر چکے وقت نے سب ہی دبی دبی سسکیاں اور آپس اپنی قبروں سے اگل دیں۔

کچے گوشت کے جلنے کی بو اس کے نٹھوں میں گھسی اور دنیا بھر کی مخلوق کی ماداؤں کا درد نہ اس کے وجود سے لیٹ گیا۔ ہال میں پھیل گیا۔ آپس انھیں۔ یہ اس کے اندر کی شدید خواہش رہی تھی یا شدید نفرت کہ اس کی نظریں آنکھ کی کمان کے کنارے پر اجماع تل پر ٹھہر گئیں اور جیسے ایسا مل ساری دنیا میں کل انسانیت میں صرف ایک وہی انسان رکھتا تھا۔ اور یہ وہی انسان ہی تو تھا۔ کھڑے کھڑے وہ اپنی ہی پرچھا میں بن گیا اور اس پر اپنے گپت ہونے کا اور اک ہونا۔ سمعی بصری قوتیں در فٹا میں پناہ لینے کو ہوئیں اور عالم فنا کا شور عالم موجود میں کانوں کے پردے پھاڑنے لگا۔

اس کی سانسوں نے بادِ سموم (زہریلی ہوا) کی موجودگی کو محسوس کیا۔

چار بھوری آنکھیں انھیں۔ ایک دوسرے کی سمت۔

”اور جس دن میں اور ولید پہلی بار ایک چھت تلے اکٹھے ہوئے مجھے یقین ہو گیا کہ اس سے تعلق مجھ پر

کثرت سے کیں مجھے لمحوں میں بنجر زمین پر جنگل
اگ آئے اور اس جنگل میں میں نے اپنی باقی ماندہ
قوتوں کو اکٹھا کر کے اس کے نام کی صدا میں لگا میں۔
”میرے بیٹے دیکھو دیکھو اپنے باپ کو۔“ اس
نے اس کے سینے کے مقام پر جوش سے ایک گھونسا
”اب ہم ایک ساتھ ہیں۔ میں تمہارے سامنے
کھڑا ہوں۔ تمہارا باپ۔ ولید البشر۔“
”میں نے ایک افریقی جادوگر کو اپنی جمع پونجی تمہاری
اور اس کے کہے پر ایمان لے آئی کہ ولید ضرور آئے
گا۔“

”وہ آگیا ہے۔“ عالیان بریڈلیا۔ ”افریقی جادوگر
نے وقت کیوں نہ بتایا؟“ آواز اس کے اندر چکراتی
رہی۔

”کچھ بولو مائی سن۔ میں نے تمہاری آوازیں
خوابوں میں سنی ہیں!“

”جان لو مارگریٹ! اتفاق ایک اہرام ہے جس نے
تمہاری ساری دعاؤں کو حنوط کر دیا ہے اور کوئی ایک بھی
دعا آسمان کو چھید کر ولید کو چھین لانے کی طاقت نہیں
رکھتی مجھے اپنی قوت دعا پر ملال رہے گا۔“

ہال کی دیواروں پر مارگریٹ کی فلم چل رہی تھی۔
ایک کے بعد اگلا منظر۔ پھر اگلا۔ آخری منظر میں وہ
سرور ہوتی جا رہی تھی اس کی آواز کی لکنت اس کی
ناپید ہوتی قوت کا نشان دے رہی تھی۔

”اس کے ساتھ گزری ساعتیں میں گنوانا نہیں
چاہتی میں اپنی آنکھیں بند کر لینے کو ہوں اور ان
آنکھوں میں انہیں مقید۔ میں ماضی کا حصہ بننے
جا رہی ہوں لیکن میں انہیں ماضی کے سرور نہیں کروں
گی۔ اگر ارواح کو دعا کا موقع دیا جائے گا تو میری پہلی
دعا پھر سے وہ ہو گا اور آخری بھی۔“

اس کے کندھے پر ایک ہاتھ آکر ٹھہر گیا۔ وہ ہاتھ
اس کے دائیں گال پر آیا اور گال کو نرمی سے مسنے لگا۔
”عالیان!“

اس نے آواز کو روح میں اور انگلیوں کو دل پر
محسوس کیا۔ ہال کی دیواروں پر بھگتی دوڑتی مارگریٹ کی

فلم اندھیرے میں کم ہونے لگی۔

”عالیان۔!“ ہاتھ چل مسل رہا تھا۔

اسے دو مائیں ملی تھیں لیکن باپ نہیں۔ اس
کی آنکھیں لبالب بھر گئیں۔ اس کے باپ کا ہاتھ
اس کے گال پر تھا۔ وجود میں آنے والا وجود میں لانے
والے کی بہت قدر کرتا ہے۔ خون میں ایک ابال ہوتا
ہے جو دنیا کی کسی آگ سے نہیں ابلتا اور خونی رشتے کی
صرف آج سے ابل کر تھلکنے لگتا ہے۔ دنیا میں کسی
بھی انسان سے دل کھول کر نفرت کی جاسکتی ہے۔ خونی
رشتے سے نفرت کرنے کے لیے پتھر سا دل چاہیے۔

اس کا دل چاہا۔ حتیٰ کہ وہ مٹتے بننے مارگریٹ کی
زندگی کے مناظر دیکھ رہا تھا کہ وہ اس چوڑے سینے میں
سرور لے اور پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اس نے چاہا
کہ وہ اپنی یادداشت کو کم کر دے اور ولید البشر سے
ناپسندیدگی کا جذبہ بھولا بسا کر دے۔ ہاں وہ خود سے
کیے گئے وعدے سے وعدہ خلافی کر دے۔ اس کے
سامنے اس کا باپ کھڑا تھا۔ اس کے قد کے عین
برابر۔ اس کی آنکھوں کے عین سامنے۔ اس کے
گال اور شانے اس گرمی سے دھک رہے تھے جو اس کا
باپ اس کے وجود میں منتقل کر رہا تھا۔ اس کے دل کے
مقام پر جو گھونسا پڑا تھا۔ وہ اسے کم شدہ مسرت سے لبریز
کر دینے کو تھا۔

”بہت بڑے ہو گئے ہو تم۔ ہاں! تمہیں ہونا ہی
تھا۔“ ہاتھ اس کے سر کے بالوں تک گئے! اس نے خود
کو ایک قدم پیچھے کیا۔

ولید البشر نے ذرا سا چونک کر اس خاموش
کھڑے مجسمے کو دیکھا جسے عربی ہاتھوں نے مغربی
ڈھب میں ڈھالا تھا۔ جس کے چوڑے شانے اور اونچا
قد اس کے مضبوط ہونے کی دلیل دے رہے تھے اور
جس کی عرب رنگ آنکھیں اتنی بے تاثر تھیں جیسے
وہ سدا روشنی سے انجان رہی ہیں اور جن کی بینائی کا
واسطہ صرف اندھیرے سے رہا ہے۔

”دیکھو عالیان! میں نے تمہیں ڈھونڈ نکالا۔“ وہ
قدم خود کو پیچھے لے جاتے ولید البشر نے دونوں بازو

واکرے۔ اس اونچے، لمبے، طاقتور مرد کو قابو کر لینے کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔
عالیان کے جسم میں سناٹا ہونے لگی۔

کرسی کو اس کے لیے باہر نکالتے ولید البشو کے ہاتھ رک گئے اور خم زدہ گردن پر ناگواری کی چھپی ہوئی نسیں بھی ابھر آئیں مگر انہیں فوراً چھپایا گیا لیکن عالیان دیکھ چکا تھا۔ اس کی نظر سامنے موجود انسان کی ایک ایک جنبش پر تھی۔
”ہم جائیں گے تو ایک ساتھ جائیں گے۔“ ولید مسکرایا۔

وہ چار قدم پیچھے ہوا اور نامحسوس انداز میں کمرے کے سانس لیے۔ مارگریٹ کی ڈوبتی ابھرتی تصویریں پر ابھی بھی اس کی نظر تھی۔
”مجھے تم کیوں کیا تھا؟“ الفاظ کو اس نے جان لگا کر بے تاثر رکھا۔

”ایک ساتھ کا مطلب جانتے ہیں آپ۔“
اب ولید ٹھوڑی کو مسلتے اسے دیکھنے لگا۔ ایک ایسے کھلاڑی کی طرح جسے اپنا اگلا سوچنا تھا ورنہ بساط الٹ جاتی۔

ولید البشو ٹھیک کر رہ گیا۔ عالیان کے سوال پر اس کے تاثرات نے حکم عدولی کی مہر لگائی۔ اس نے اپنی نظریں بدلیں اور پھر ان میں معاملہ بھی چھلکنے لگی۔ عالیان نے ان بدلتے تاثرات کو بھانپ لیا۔

”پتا نہیں اس عورت نے تمہیں میرے بارے میں کیا کیا کہانی بنا کر سنائی ہے۔“
”نہیں لیڈی مہر کہتے۔ میں ان کے لیے احترام کی درخواست کروں گا۔“

”تمہارا باپ تمہارے سامنے پہلی بار آیا ہے۔ اس کے سینے سے لگنے سے پہلے ایسا سوال کوئی بھٹکا ہوا ہی کر سکتا ہے۔“ آواز میں دبا دبا جلال تھا اور الفاظ سے زیادہ ان کی آوازیں میں ایسی طاقت تھی کہ عالیان نے سوچا کہ اگر یہ شخص ”میں مر رہا ہوں“ میری بانہوں میں آجاؤ کہہ دیتا تو وہ اس کے قدموں میں جا بیٹھتا۔ اب میرا باپ میرے پاس پہلی بار کیوں آیا؟ اس نے خود کو مضبوط کرنا چاہا جبکہ اسے یقین ہونے لگا تھا کہ سامنے کھڑے شخص کو اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کی سب ہی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔

”میں مارگریٹ کی بات کر رہا ہوں۔“
ولید البشو کے منہ سے اس نام کے نکلتے ہی وہ ٹھیک اس جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا جہاں سے چلا تھا ”سرد مرد ہاتھ سے ہاتھ چھڑائے جانے سے۔“
”یہی سختی اور نخوت سے ماما کا نام مت لیں۔“ وہ چلا اٹھا۔

”تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔ میں بتاؤں گا۔“
آؤ میرے ساتھ یہاں بیٹھو۔“ پیشانی پر ناگواری کی لکیریں ابھریں اور اس کی آواز کی خود ساختہ نرمی معدوم ہونے لگی۔

ولید نے اسے سرد نظروں سے دیکھا۔ ”تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ تمہیں میرے بارے میں غلط بتایا جاتا رہا ہے۔“

عالیان مارگریٹ جوزف نہیں بننا چاہتا تھا۔ وہ ڈٹ کر کھڑا تھا مگر ایسا کرنے میں بہت سی قوتیں حائل تھیں۔

”ہو سکتا ہے۔ اب آپ سب ٹھیک بتادیں۔“
ولید البشو نے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو انگوٹھے کے ساتھ رگڑا۔ شاید عادتاً اس کی جھکی ہوئی بھونٹیں ذرا سا اور جھک گئیں اور عالیان نے ان میں وہ رنگ دیکھا جو آسمان پر اڑتے باز پر نشانہ باندھے شکاری کی آنکھ میں اس وقت ابھرتا ہے جب وہ ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھانے والا ہوتا ہے۔

”مجھے کھڑا رہنے دیں تاکہ ہم دونوں کو حلے جانے میں آسانی رہے۔“ اس کی آواز سخت اور گھردری ہو گئی۔

اور باز کا شکاری تند خو اور دور فہم ہوتا ہے۔ آسمان سے جا لینے والا۔ صرف شست ہی باندھ کر مار دینے والا۔

”میں نے مارگریٹ کو ایک اچھی عورت سمجھ کر شادی کی۔ وہ مجھے چھوڑ گئی اور تمہیں بھی اپنے ساتھ لے گئی اور میں پاگلوں کی طرح تم دونوں کو ڈھونڈتا رہا۔ اتنے سال میں کہاں کہاں نہیں گیا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ اس کی موت واقع ہو گئی ہے۔ میں بہت مشکل سے تم تک پہنچا ہوں عالیان۔“

اور جس آنچ سے اس کے خون میں ابال اٹھے تھے، وہ خون ایک دم سے سرد ہو گیا اور وہ استہزائیہ ہنس دیا۔ ”ناروے کے ہوٹل میں کس عورت کو طلاق اور دھتکار دی تھی آپ نے؟“

ولید البشو کو جھٹکا سا لگا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ وہ بہت چھوٹا تھا جب اسے بے سہارا بچوں کے ادارے میں داخل کروایا گیا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسے اس بارے میں بھی معلوم ہوگا۔

”جس فلیٹ میں شادی کر کے انہیں رکھا تھا وہ اسی فلیٹ میں مر گئی تھیں تو آپ انہیں کہاں پاگلوں کی طرح ڈھونڈتے رہے تھے۔ میری پیدائش سے پہلے آپ انگلینڈ چھوڑ چکے تھے بہت آسانی سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ دوبارہ آپ انگلینڈ آئے۔“

”میں اپنے دوست کو بھیجتا رہا تھا تمہیں ڈھونڈنے۔“ اپنے انداز کی تلخی کو اس نے بمشکل قابو میں کیا۔

”آپ خود کیوں نہیں آئے؟“

”مجھے انگلینڈ سے نکال دیا گیا تھا۔ میرے کانڈات میں گزربڑ تھی، مارگریٹ نے مجھ سے رابطہ ختم کر دیا تھا۔“

”آپ کی نیت میں گزربڑ تھی مجھے یقین ہے اس کا۔ انگلینڈ سے نکلتے ہی آپ نے ناروے میں شادی کر لی تھی فوراً۔“

”وہ میری مجبوری تھی۔“

”میں کیا تھا۔ ضرورت۔ مجبوری۔ خواہش۔ وقت گزاری۔“

”میں صرف اس لیے غلط نہیں ہو سکتا کہ تم سے الگ رہا۔ تم غصے میں ہو۔“

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ایک ساتھ اتنے جھوٹ بول دیے آپ نے۔“

”خود کو پر سکون کرو۔ تھوڑے نارمل ہو جاؤ۔“

”ٹھیک ہے۔ اگلی بار پھر اتنے ہی سالوں بعد آئے گا شاید میں نارمل ہو چکا ہوں۔“ وہ پلٹ کر جانے لگا۔

”کیا چاہتے ہو تم؟“

”آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”تمہیں لینے آیا ہوں۔“

”اتنے سالوں بعد کیوں؟ مجھے صرف سچ سننا ہے ورنہ کچھ نہیں۔“

ولید البشو نے اپنے اندر تیزی سے جوڑ توڑ کیے۔ ”میں نے مارگریٹ کو طلاق دے دی تھی یہ میرا حق تھا اور وہ غصے میں آ گئی۔“

”جب ناروے میں وہ آپ کو میرے بارے میں بتا رہی تھیں تب آپ نے کیا کہا تھا؟“

”میں سمجھا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔“

”نہیں! آپ سمجھے ہیں آپ کا نہیں کسی اور کا بچہ ہوں۔“ کہتے وہ ذرا شرمندہ نہیں ہوا۔ حکم عدولی کرنے والوں کو دی جانے والی سزا کے اعلان کرنے کے انداز کو ولید نے بمشکل دبایا۔

”کسی اور کے بچے کو اب کیوں سمیٹنے آئے ہیں؟“

”یہ غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔“

عالیان ایک کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گیا اور خود کو سوچنے کے لیے وقت دیا۔ اس کے سامنے ایک صحت مند خوش شکل، قیمتی لباس اور جوتوں میں لمبوس اس کا باپ کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ گھڑی تھی جو ایک معروف کمپنی آرڈر پر صرف ”ایک“ تیار کرتی ہے۔ ولید البشو کی کھال پر ایک جھری نہیں تھی۔ وہ اپنی صحت کا بہت خیال رکھتا رہا تھا یا وہ اسکن سرجری سے کئی بار گزر چکا تھا۔ اس کی خوب صورتی، اس کا لباس، اس کا انداز، اس کے الفاظ، اس کے تاثرات، کوئی ایک بھی چیز اس بات کی گواہی نہیں دے رہی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے غم میں گھٹا رہا ہے۔ اس کی ماں کھل کھل کر مر چکی تھی اور اس کا باپ کھلا گلاب بنا

اس کے سامنے موجود بیٹے کی جدائی پر آنسو بہانا چاہتا تھا۔

”یہ صرف میرے لیے یہاں نہیں آیا۔“ عالیان نے اپنا سر پکڑ لیا اور ولید البشر نے برہہ کر اس کے سر کا بوسہ لیا۔

”تم خود کو پرسکون رکھو اور آؤ میرے ساتھ۔ یہ میری بدنصیبی تھی کہ میں نے تمہیں کھو دیا۔ زندگی نے بہت برا کیا میرے ساتھ۔ مجھے معاف کرو۔ لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔“

عالیان نے سر جھکائے ہی رکھا۔ اس کی ماں کا ایک آنسو گرنا تھا تو وہ تڑپ اٹھتا تھا۔ اس کا باپ رو کر اس کا بوسہ لے رہا ہے اور وہ بہت ہنا بیٹھا ہے۔

”آپ میرے باپ بننے آئے ہیں اور مجھے آپ کا بیٹا نہیں بننا۔ مجھے آپ میں دلچسپی نہیں ہے اور ہوگی بھی کیوں؟“ عالیان نے بہت کھردرے اور غیر جذباتی انداز سے کہا۔ وہ ایسے ساٹ ہو گیا جیسے مشین ہو۔

”تمہارا باپ ایک کامیاب بزنس مین ہے اور تمہیں اس میں دلچسپی نہیں۔“ الٹی طرف سے ولید البشر نے وہ پتا پھینکا جو سیدھے سیدھے صاف صاف عالیان نے پڑھ لیا۔ وہ ذرا سا چونکا اور اس کی نظروں سے ٹپکتی لالچ ولید البشر نے تاثری اور خود کو دوا دی۔

”میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے میں سمجھ سکتا ہوں کہ تم نے کیسی زندگی گزاری ہوگی۔ میرے پاس بہت کچھ ہے عالیان۔ میں تمہیں بہت کچھ دے سکتا ہوں۔“

ایز اس باز کو مار گراتے وہ چوک گیا۔ اس کا انداز کاروباری ہو گیا اور وہ بھول گیا کہ اسے فی الحال ایک غم زدہ باپ کا کردار ہی نبھاتے رہنا تھا۔

خصلت پانی میں تیرتا ہوا کاگ ہے جو زیر پانی رہ ہی نہیں سکتا۔ اسے اور آنا ہی ہے۔

”میں نہیں مانتا کہ آپ کے پاس کچھ ہو گا۔ چند ہزار ڈالر کے سوا۔“ اس نے لالچی انداز اپنا لیا۔

”اس پورے ہارٹ راک کو بک کروانے کے لیے جانتے ہو کتنے ہزار پونڈ زچائیں؟“

”وی چند ہزار نا۔ میرے پاس اس سے زیادہ پیسے ہیں۔ ماما مر کے پاس اس سے زیادہ دولت ہے۔“

”تمہاری ماما مر کے پاس میری دولت کا ایک حصہ بھی نہیں ہو گا۔“ ولید جھٹکیا۔

”اچھی بڑ ہے۔“ عالیان بھرپور استہزاء سے ہنسا۔ ”بڑ نہیں ہے یہ۔“ ولید عیسے سے بھڑک اٹھا۔ شاید اپنی دولت اسے اتنی پیاری تھی کہ اس پر طنز اسے گوارا نہیں تھا۔ وہ تیزی سے ہال سے باہر گیا اور واپس آکر ایک فائل اس کے سامنے رکھی۔

”اسے کھولو اور پڑھو میری کمپنی اور اس کے شیئرز کتنی مالیت کے ہیں۔“ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہتا ہو۔ دیکھو۔ بڑھو ولید البشر کتنا قیمتی ہے۔ کیا سمجھ کر تم ایسے قیمتی انسان سے ایسے بات کر رہے ہو۔ تم گستاخی کر رہے ہو۔

اور بس ایک پل لگا عالیان کو ساری بات سمجھنے میں۔ اس کا شک یقین میں بدل گیا اور اس یقین پر اس کا دل پاش پاش ہو گیا۔ موہوم سی جو امید تھی وہ دم توڑ گئی۔ اندر ہی اندر اس حقیقت پر وہ رو دینے کو ہو گیا۔ وہ اس سے نفرت کرتا تھا اب اسے خود سے بھی نفرت محسوس ہونے لگی۔ تو بس یہ حیثیت تھی اس کی۔ اس کا باپ ایک یو پارٹی۔ یہ وہ امیر عورت۔ کمپنی۔ شیئر۔ سکی اولاد۔ سوتیلی اولاد۔

ولید البشر نہیں جانتا تھا کہ وہ بزنس کا کتنا ذہین اسٹوڈنٹ ہے۔ عالیان نے فائل پر سرسری نظر بھی نہیں ڈالی تھی۔ اس کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔

”میرے علاوہ آپ کی کوئی اولاد ہے؟“ اپنی آواز کی لرزش پر قابو پا کر اس نے عام انداز اپنا کر یہ سوال پوچھا۔

دکھ کا ایک سایہ ولید البشر کے چہرے کے پار ہوا۔ ”ہاں۔ ایک بیٹا تھا۔“

”تھا۔“ اب عالیان ساری ہی کہانی سمجھ گیا۔ ”کار کے حادثے میں اس کی ڈنٹھ ہو گئی۔“ نیم دکھ کے تاثر کے ساتھ ولید خاموش ہو گیا۔

اگلی بات کرنے کے لیے عالیان نے چند گھرے

سانس لیے۔ اس کا دل چاہا وہ اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر ہال سے باہر چلا جائے۔ اسے اپنے دل سے رونے کی واضح آوازیں آرہی تھیں۔

”یعنی اس کے پاس اتنی مہلت بھی نہیں رہی کہ وہ اپنے شیراز آپ کو قانونی طور پر منتقل کر جاتا۔ ان بیوہ خاتون کا بھی سگایا ہونے کی حیثیت سے اس کے حصے میں یقیناً ”لفٹی پرسنٹ شیراز آئے ہوں گے۔ کچھ آپ کی سوتیلی اولادیں بھی ہوں گی اور اب آپ کی دوسری سگی اولاد ہے تو یہ شیراز کمپنی کے طے کیے اصولوں کے مطابق صرف اسے منتقل ہو سکتے ہیں ورنہ یہ واپس کمپنی کے پاس جائیں گے۔ جو یقیناً ”آپ کو گوارا نہیں ہو گا۔ میرا اور آپ کا ڈی این اے بھی ہو گا ورنہ آپ کسی کو بھی اپنی سگی اولاد بنا کر پیش کر دیتے اور ایک مخصوص مدت کے بعد آپ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ آپ کو ہر صورت ایک بالغ اولاد چاہیے۔“ وہ رکا۔ ”اس لیے آپ مجھے ڈھونڈتے رہے۔“

فائل کو اس نے نخوت سے میز پر کھسکا دیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اطمینان تھا کہ اپنے باپ کے جال کو اسی پر الٹ دیا تھا۔

”مجھے اس سب میں کوئی دلچسپی نہیں۔“ اس نے بہت آرام سے اس شخص کو الٹ دیا تھا۔
”تم یہ نہیں کر سکتے۔“ ولید جیسے تڑپ اٹھا۔
”میں یہ کر رہا ہوں۔“ وہ استیلائیہ ہنسا۔
”میں تمہارا باپ ہوں۔ تم کس طرح سے پیش آرہے ہو میرے ساتھ؟“

وہ ایک بزنس مین سے پھر سے ایک ”باپ“ بن گیا۔ ایسا کرنا پھر سے ضروری ہو گیا تھا۔
”مجھے اس ”باپ“ سے کوئی لگاؤ نہیں۔“ اس نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔
”تم میرا خون ہو علیان۔“
”آپ کو دیر سے یاد آیا۔“
”ہمیں اب ایک ساتھ مل کر رہنا چاہیے۔“
”ٹھیک ہے۔“ اس نے دونوں جیبوں میں ہاتھ

دبے اور پہلے سے زیادہ مضبوط نظر آنے لگا۔ ”صرف ایک سچ بتا دیں۔ ماما کو کیوں چھوڑ دیا تھا۔ سچ بتائیے گا پھر میں سب کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

ولید البشو نے جھوٹ بول کر دیکھ لیا تھا۔ اس نے سچ کو بھی آزمایا تھا۔

”آپ نے انہیں ذلیل کیا۔؟“
”مجھے ڈر تھا کہ وہ مجھے عدالت میں تھسیٹ لے گی۔ مار گریٹ کے ساتھ میرا تعلق کچھ بھی رہا ہو، میں تمہارا باپ ہوں، کیا برا کیا ہے تمہارے ساتھ میں نے۔؟“

”اس کیفے سے باہر نکلیں اور ملنے والے پہلے انسان کو بتائیں کہ اپنی اولاد کو میں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اتنے سالوں بعد آج اس سے مل رہا ہوں تو وہ آپ کو تباہے گا کہ کیا برا کیا آپ نے۔۔۔“
”میں شرمندہ ہوں۔“

عالیان نے افسوس سے اتنے رنگ بدلتے اس انسان کی طرف دیکھا جس کے ایک رنگ ”محبت“ کے جال میں اس کی ماں آگئی تھی۔
”تم بہت سچ ہو رہے ہو۔ میری توقع سے زیادہ۔۔۔ میرے ساتھ چلو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
”میں پھر اپنا سوال دہراؤں گا۔ ماما کو کیوں چھوڑ گئے تھے؟“

ولید البشو ایسے اپنی ٹھوڑی مسلنے لگا۔ جیسے اپنے مزاج کے برخلاف کچھ برداشت کر رہا ہو۔ اور اسے سوال پوچھے جانے کی عادت رہی ہو، سوالوں کا جواب دینے کی نہیں۔

”میں اسے پسند کرتا تھا۔ پھر میری دلچسپی اس میں ختم ہو گئی۔“

وہ جیسے کسی گلستان سے توڑ لیے گئے پھول کی بات کر رہا تھا یا راستے میں آنے والے کسی پھول کو پیرتے مسل دینے کی۔ اس کا انداز اس سے بھی بدتر تھا۔

عالیان نے بہت دیر تک اس خوش شکل انسان کو دیکھا جس نے کتنی آسانی سے یہ بات کہہ دی تھی۔ اس عورت کے لیے جس کی زبان اس کے نام کی ادائیگی

”مگر آپ اس مدد کا سوال بابا سے کرتے تو وہ کبھی انکار نہ کرتیں۔ میں مارگریٹ نہیں ہوں۔“
 ”تو ٹھیک ہے پھر مارگریٹ کے لیے ہی سہی۔“
 اسے سودا کسی بھی صورت کروانا تھا۔
 ”مگر وہ میرے لیے زندہ رہتیں تو شاید وہ آپ کے لیے مر گئیں تو بالکل نہیں۔“ عالیان اب وہ سارے حساب لے لیتا چاہتا تھا جو اپنی ماں کی طرف سے اسے چکانے تھے۔

”میں آفیشلی مارگریٹ کو اپنی بیوی تسلیم کر لوں گا۔“
 ”اس کی ضرورت ہے نہ اس کا فائدہ انہیں حاصل ہو گا۔“

”تمہیں یہی شکوہ ہے تاکہ میں نے اس کی بے عزتی کی۔ ٹھیک ہے میں اسے عزت بھی دوں گا اور اپنی بیوی ہونے کا خطاب بھی۔ میں پریس کانفرنس کروں گا۔“

”نہیں مار دینے کا اعتراف کون کرے گا؟“ اس کی پیشانی پر کئی لکیریں بن گئیں۔
 ولید البشر کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے، اس کی برداشت کی حدیں ختم ہو رہی تھیں۔

”تم یہ ثابت کر رہے ہو کہ تم میرا ہی خون ہو۔ تم اپنی اہمیت بڑھا رہے ہو۔ تمہیں ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور بڑھالو اپنی قیمت۔ میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ مہنگی چیزیں خریدنے کا مجھے شوق ہے۔“
 کبھی خود بک چکے ولید کو لگتا تھا دنیا میں سب بکنے کے لیے ہی موجود ہیں۔

عالیان اندر ہی اندر ہنسا۔ یہ شخص تھوڑی دیر کے لیے بھی ایک اچھا باپ ہونے کی اداکاری نہیں کر سکا۔
 ”میری قیمت آپ نہیں چکا سکتے۔“ طنز سے کہہ کر وہ تیزی سے جانے لگا۔ کبھی ایسے ہی اس کی ماں بھی اس کے سامنے کھڑی ہوگی اور وہ پشت دکھا دکھا کر جاتا ہو گا۔

”مگر مجھے تمہاری ضرورت ہے تو تمہیں بھی کہیں نہ کہیں میری ضرورت ضرور ہوگی عالیان ولید۔!“

کرتے کرتے نہیں تھکی تھی۔ جو ایسے ایڑیاں رگڑتی رہی تھی جیسے اس کے وجود سے زہریلے حشرات لئے اسے ڈنک پر ڈنک مار رہے ہوں۔ اس وقت عالیان کو اپنی ماں پر بہت ترس آیا۔ اس کا پھوٹ پھوٹ کر رونے کوئی چاہا۔ اتنی محبت اور ایسے کرب کے بعد بھی اس کی ماں کے ہاتھ کیا آیا۔ شرمندگی۔ پچھتاوے، احساسِ دکھ کا ایک لفظ بھی نہیں۔
 ”مگر مارگریٹ اس وقت نہ مرنے تو اس وقت مر جاتی۔“

اس کے اندر الاؤ سادہ کا اس کے ہاتھ کی پوری اتنی گرم ہو گئیں کہ ولید انہیں چھو لیتا تو جل جاتا۔
 ”میں آپ سے نفرت کرتا تھا اور اب اور زیادہ کرتا ہوں۔ آپ سے مزید بات چیت کا میرا ارادہ نہیں۔“
 اس نے ولید البشر کے منہ کے عین سامنے اپنا منہ لے جا کر کہا۔

ولید ایک قدم پیچھے ہوا۔ اس ٹھکرا دی گئی عورت کی اولاد کے ایسے انداز نے اسے سچا کر دیا۔ اس نے خود کو بمشکل روکا کہ وہ اس لڑکے کی بوہی تذلیل کر دے، جو اس کی ماں کی تھی۔

”تم لاکھوں ڈالرز ٹھکرا رہے ہو۔“ اب وہ صاف صاف ایک کاروباری انسان بن گیا۔
 ”وہ کہو ٹوں ہوں تو بھی۔“

”ہوں۔ تو تمہیں زیادہ حصہ چاہیے۔؟“
 عالیان استہزائیہ ہنسا۔
 ”جو لو کتنا چاہیے۔ وہ میری ساری زندگی کی کمائی ہے۔ تمہیں راضی ہونا ہی پڑے گا۔“

اب عالیان رحم سے اسے دیکھنے لگا۔ ”پیسوں کو کمائی کہہ رہے ہیں۔ انسانوں کو کس گنتی میں گنتے ہیں۔ مجھے مجبور نہ کریں کہ میں آپ کے ساتھ وہ کروں جو آپ دوسروں کے ساتھ کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔“

”تمہیں میرے کام آتا ہی پڑے گا۔“
 ”میں اس کے لیے تیار نہیں۔“
 ”تو تم اپنی قیمت بڑھا رہے ہو؟“

قریب رکھے میز پر انگلیاں بجا کر اس نے کہا۔

”دنیا میں کوئی ایسا کھیل نہیں جسے ایک ہی انداز سے جیتا جاسکے۔“ ولید البشر اس فلسفے پر یقین رکھتا تھا۔ عالیان پہلے سے زیادہ نفرت سے پلٹا۔

”دنیا میں آپ وہ آخری انسان بھی نہیں ہوں گے۔ جس کی مجھے ضرورت ہوگی۔ لکھ کر محفوظ کر لیں میں کبھی آپ کی طرف نہیں لوٹوں گا۔“

”ہوں۔۔۔“ ولید البشر کے لب واپوئے۔
 ”عالیان ولید۔۔۔ تمہیں میرے نام کی۔ میری موجودگی کی ضرورت ہے۔“ انگلیاں اور تیزی سے میز پر بجنے لگیں۔

”باقی ماندہ زندگی کے لیے یہ خوش فہمی آپ پال سکتے ہیں۔“ وہ پلٹ کر جانے لگا۔

”پھر سوچ لو۔ ان کاغذات پر سائن کرو اور میرے ساتھ چلو۔“

یہ ایک ایسا انداز تھا کہ جیسے ولید البشر اس پر کوئی احسان کر رہا ہے۔

”مجھے اپنا باپ مانو نہ مانو۔ ایک تجربہ کار انسان ہی مان لو۔ اس ایشیائی لڑکی کے پاس کوئی توجہ ہوگی جو اسے تم سے زیادہ ضروری تھی۔“

ہاڑیوں میں چھپ کر بیٹھے دشمن کے زہر بچھے تیر کی طرح جو فلاح کی پشت پر لگتا ہے اور اس پر فلاح کا سورج حرام کر دیتا ہے۔ عالیان کی پشت پر تیمون کر یہ آخری بات لگی اور اس نے جھٹکے سے گھوم کر اسے دیکھا۔ دنیا میں جتنی کراہیت آمیز چیزیں تھیں ان کے بوجھ تلے اس نے خود کو پایا۔



اجنبی نمبر سے کال تھی۔ وہ آخری لیکچر لے کر نکل رہی تھی۔

”میں ولید البشر۔۔۔ عالیان کا باپ بات کر رہا ہوں۔“

اس کی ہیلو کے جواب میں فوراً ”کہا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے آگے کیا بولے۔“

”تم نے پیسے لینے سے انکار کیوں کر دیا؟“
 ”میں نے یہ پیسوں کے لیے نہیں کیا۔“ وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
 ”پھر کس لیے کیا ہے؟“

”عالیان میرا دوست ہے۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ وہ اپنے پیار سے ملے۔“
 ”بس صرف اس لیے؟“

”جی۔۔۔“
 ”تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟“
 ”پاکستان سے۔“
 ”مسلمان ہو؟“

”جی۔۔۔!“

بہت دیر خاموشی رہی کہ اسے گلنے لگا کہ فون بند کر دیا جائے گا۔

”عالیان تمہارا کتنا اچھا دوست ہے؟“

وہ خاموش رہی۔
 ”تم نے اس سے کبھی پوچھا نہیں کہ اس کا باپ کہاں ہے؟“

”میں نے پوچھنا چاہا تھا۔“ وہ بات کرتے جھجک رہی تھی۔
 ”تو۔۔۔؟“

”وہ اس بارے میں بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔“
 ”لیکن تم میرے بارے میں جاننا چاہتی تھیں۔ کیوں؟“

وہ پھر سے خاموش ہو گئی اور دوسری طرف بھی خاموشی چھائی رہی۔

”عالیان سے شادی کرنا چاہتی ہو؟“

اس سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔
 ”میں نے تمہاری دونوں فون کالز کی ریکارڈنگ سنی ہے۔ مجھے یہ اندازہ فوراً ہو گیا تھا۔ کھراؤ نہیں۔ مجھے بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔؟“

”آپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اسے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کو سب بتایا ہے۔ شاید اسے اچھا نہ لگے۔“ اس کی آواز اور زیادہ

کانٹے لگی۔

”اے اپنے باپ سے ملنا ضرور اچھا لگے گا۔ میں سب سمجھ گیا۔ تمہارا شکریہ۔ تم یقیناً“ میرے بیٹے کے لیے اچھے جذبات رکھتی ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟“

”مرحہ!“

”مرحہ! تم سمجھ دار ہو۔ کیوں کہ تم جانتی ہو کہ ایک باپ کا ہونا کس قدر ضروری ہے۔ اس پر اصرار کرتی رہنا مرحہ! میں اور میرا بیٹا جلد تم سے ملیں گے۔“

”تم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو کہ کیا وجہ ہوگی۔ اس نے پیسے بھی لینے سے انکار کر دیا اور تمہارے بارے میں سب بتا بھی دیا۔ اس نے یہ نیکی یقیناً“ اپنے لیے کی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مذہب اسلام اپنایا ہے اور وہ لڑکی بھی مسلمان ہے۔“

اس کے وجود میں جلتی آگ کی تپش نقطہ عروج پر جا پہنچی کہ اس کی کھال پھل جانے کو ہو گئی۔

”چھ مسلمان خاندان بننا باپ کے ناجائز اولادوں کو اپنی بیٹیاں نہیں دیتے۔“ عالیان سن سا ہو گیا۔ اس کے منہ پر چائنا پڑا۔

”اس نے میرے آدمی سے ایک ہی سوال کیا تھا۔ مارگریٹ کے بیٹے کو اس کا باپ ہی ڈھونڈ رہا ہے نا۔ اور جب اسے معلوم ہو گیا کہ باپ ہی ہے تو جیسے اس کی کوئی بڑی مشکل آسان ہو گئی۔ تم ایک آزاد معاشرے میں رہتے ہو، لیکن باپ کا سوال آج بھی مذہب معاشروں میں پہلے پوچھا جاتا ہے۔ باپ کے نام کے بغیر تم ناجائز ہو۔ میں کہاں ہوں اس بارے میں لوگ پوچھتے تو ہوں گے۔“ ولید رک۔ جیسے اب سارے کام ہو گئے۔

”اس عورت کے نام کے ساتھ تم کسی مسلم خاندان میں شامل ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ میرے بغیر تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔؟“ ولید البشر نے اس آخری بات سے عالیان کو ایسے ذلیل

کر دیا جیسے مارگریٹ اور اس کی اولاد کی ہتک کا حق صرف اسی کے پاس ہے۔ اور اس نے اس حق کا ٹھیک ٹھیک استعمال کیا۔ ”تمہاری غیر مسلم ماں کے بارے میں آسانی سے یہ سوچ لیا جائے گا کہ وہ کس طرح کی۔“

”اپنی زبان کو لگام دو۔“ عالیان دھاڑا۔ ”کس نام اور کس خون کی بات کر رہے ہو۔ لعنت تو تم ہو۔“

”تم اس ملعون عورت کا خون نہ ہوتے تو جانتے کہ باپ کے ساتھ کیسے پیش آیا جاتا ہے۔“

”میں تمہارا ملعون خون نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔“ اس نے اس کرسی اور میز کو طیش میں پیر سے ٹھوکر ماری، جس کے پاس وہ کھڑا تھا۔ باہر کھڑے گارڈز اندر لپکے۔

ولید نے اشارے سے انہیں روکا۔

”تم میرے کام آ جاؤ۔ میں تمہارے کام آ جاؤں گا۔ ڈبل سمجھ لو۔ اتنے جذباتی نہ ہو۔“

”تھو ہے اس ڈبل پر۔“

”میر سکون ہو جاؤ۔ تم جانتے نہیں کہ تم کس عورت کی اتنی طرف داری کر رہے ہو؟“

”ہاں جسے تم نے مار ڈالا۔“ اس نے غصے میں ایک اور کرسی کو ٹھوکر ماری۔ ”تم نے اسے اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ وہی جال کاٹے کاٹے وہ مر گئی۔“

”اور اپنے پیچھے ان مردوں کو روتا چھوڑ گئی جن کے ساتھ وہ ہر رات۔“

عالیان نے جھپٹ کر اس کے کوٹ کا کالر پکڑا اور گھونسا اس کے منہ کے قریب لایا۔ دونوں گارڈز فوراً اس پر جھپٹے۔

”میرنی تربیت اچھے ہاتھوں میں نہ کی ہوتی۔ میں ایک مسلمان نہ ہوتا تو تمہارا گلا دو بوج لیتا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے بچانہ سکتی ولید! گارڈز اسے پوری قوت سے پیچھے کھینچ رہے تھے اور وہ چلا رہا تھا۔

”اگر ایک بھی اور لفظ ماما کے بارے میں کہا تو میں یہ بھی کر گزروں گا۔“ اس نے خود کو گارڈز سے آزاد کروایا اور انگلی اٹھا کر چلایا۔

”تم وہ غلاظت ہو جس میں میری ماں اپنی بدنہیبی سے جا گری۔ اگر میرا بس چلے تو میں اپنا جسم چھیل ڈالوں تاکہ تمہارے غلیظ خون کا ایک قطرہ میرے جسم میں نہ رہے۔“ ولید البشر شذر رہ گیا۔

”ساری دنیا کی دولت میرے آگے ڈھیر کر دو گے۔ تو بھی اب مجھ سے اپنے لیے احترام کا ایک لفظ نہیں سن سکو گے۔ مجھے تمہاری ضرورت کبھی نہیں پڑے گی۔ وہ میری آخری سانس ہی کیوں نہ ہوں۔ میں زندگی مستعار لینے کے لیے تب بھی تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔“



برنٹ ورک کی حدود سے وہ ایسے نکلا جیسے بندوق سے گولی۔ اگر وہ ذرا سی دیر اور رک جاتا تو ولید البشر کا گلا اس وقت تک دوپچے رکھتا جب تک وہ حلق سے آخری سانس نہ اگل دیتا۔ اس نے زندگی میں کبھی اس شخص سے ملنے کی چاہ نہیں کی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ شخص اس کے سامنے آئے گا تو خود وہ انسانی رتبے سے گر جائے گا۔

”اگر وہ کبھی تمہارے سامنے آجائے تو تحمل سے کام لیتا۔“ ماما مر سے نصیحت کر چکی تھیں۔ ”مجھ سے وعدہ کرو۔“ تم صبر سے کام لو گے۔ تم ایک اچھا انسان ہونے کا ثبوت دو گے۔ تم میری تربیت کی لاج رکھو گے۔“

وہ سائیکل کو سڑک پر اڑا رہا تھا۔ اسے سڑک پر کوئی بس گاڑی نظر نہیں آرہی تھی۔ اپنا گرم کوٹ وہ ہارٹ راک میں پھینک آیا تھا۔ اپنی شرٹ کے بٹن اس نے کھول دیے تھے، کف الٹ دیے تھے۔ اس کی شرٹ ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ اتنی ٹھنڈ بھی اس کی گرمی کم کرنے میں ناکام تھی۔

اس کی خون رنگ آنکھیں ٹٹمار ہی تھیں۔ اب اس کی سمجھ میں آ گیا کہ ماما نے گھر آنے سے منع کیا کر دیا تھا، وہ اس کا پتا کرنا گھر تک پہنچ چکا تھا اور گھر والوں تک بھی۔ اگر ماما کی اور اولادیں نہ ہوتیں تو وہ

اس سے پہلے اس تک پہنچ چکا ہوتا۔ اس کا باپ اپنے ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچانے کے لیے اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

اپنی لین میں چلتی کار سے آگے نکل جانے میں وہ اسی کار سے ٹکرا گیا اور رگڑے کھاتا ہوا سڑک پر گرا۔ اسے کوئی دعا ملے گی۔ کار اس کے اوپر سے نہیں گزرے گی۔ اس کے ہاتھ اور گھٹنے پھل گئے۔ جس گال پر ولید البشر اپنا ہاتھ رگڑتا رہا تھا وہاں سرخ لکیریں بن گئیں، اور — ان میں سے خون رسنے لگا۔

اس نے اسے ایک ٹوکن سے زیادہ اہمیت نہ دی، جس کے ڈالتے ہی اس کی پیسوں کی مشین چلنے لگتی۔

”کیا تم ٹھیک ہو؟“ کار والا جلدی سے باہر نکل کر اس کے پاس آیا۔ جبکہ وہ سائیکل کھڑی کر کے اس پر سوار ہو چکا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے نازہ زخموں کو اوھڑنے لگی اور ان میں سے گرم خون رسنے لگا۔

وقت ایک شرارہ ہے۔ جلادینے پر قادر۔ دونوں ماں بیٹا ایک سے نصیب کے حامل تھے۔ دونوں نے ایک ہی انسان کے ہاتھوں ذلت اٹھائی۔ دوبارہ وہ کسی کار سے نہ ٹکرا جائے اس نے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

”مجھے غلط مت سمجھنا۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے اپنے ماضی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔“

”تم غلط وقت پر پوچھ رہی ہو۔“

”جانتی ہوں۔ وہ سب کہنے سے پہلے پوچھنا چاہیے تھا۔ پھر بھی۔ مجھے اپنے قادر۔“

”میرا کوئی باپ نہیں ہے! صرف ایک ماں تھی جو مر گئی۔“

”اچھے مسلمان خاندان بننا باپ کی ناجائز اولادوں کو بیٹیاں نہیں دیتے۔“

”باب کا سوال آج بھی مذہب معاشروں میں پہلے پوچھا جاتا ہے۔ باب کے نام کے بغیر تم ناجائز ہو۔“

”تمہاری غیر مسلم ماں کے بارے میں آسانی سے

یہ سوچ لیا جائے گا کہ وہ کس طرح کی۔۔۔ تم اس ملعون عورت کا خون۔“

”ملعون عورت۔ ملعون عورت۔“

”اور اپنے پیچھے ان مردوں کو روٹا چھوڑ گئی جن کے ساتھ وہ ہر رات۔“

آتش فشاں پھٹنے سے پہلے جو اس کے اندر دھماکے ہوئے تھے وہی دھماکے اس میں زلزلہ برپا کرنے لگے۔ ایک خیال اس کے ذہن سے ہو کر گزرا، اسے سڑک کی مخالف لین میں گھس جانا چاہیے اور سامنے سے آنے والی کسی بس سے ٹکرا جانا چاہیے۔

ولید البشر اسے کیسے جتا گیا تھا کہ اس کا نام اس کے لیے کتنا ضروری ہے۔ اس کی پاک باز ماں کے لیے آج بھی وہی انداز اپنایا گیا تھا جو سالوں پہلے اپنایا گیا تھا۔ وقت اس زندہ کے لیے بھی نہیں بدلا تھا اور مردہ کے لیے بھی نہیں۔ وقت نے اس کے درجات میں تبدیلی کی تھی تو بس اتنی کہ اسے اور پستی کی طرف لے گئے تھے۔

اس عورت نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا کہ اسے عزت کے لائق سمجھا جا رہا تھا نہ محبت کے۔ اس نے کہاں کیا گستاخی کی تھی کہ مرنے کے بعد اسے زندہ رہ جانے والے روند رہے تھے۔ اس کے لیے رویا نہیں گیا۔ پچھتایا نہیں گیا۔ اس کی ریاضت اتنی کھوئی تھی کہ اسے لفظوں میں سب سے بدتر الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔

اور عالیان نے پہلی بار سوچا۔ ”میری ماں مار گریٹ جیسی بد نصیب عورت نہیں ہونی چاہیے۔“

ولید اسے بھی استعمال کر گیا تھا ولید اسے بھی استعمال کرنے ہی آیا تھا۔ جو عورت اس کے فراق میں مر گئی تھی وہ اس پر پھر سے لعنت بھیجنے آیا تھا۔ اس کا اکلوتا خونی رشتہ اس کا خون پی گیا تھا۔

اس کے جسم میں جا بجا سوراخ ہو گئے تھے اور ان سوراخوں سے وہی کراہیں سنائی دینے لگی تھیں جو اس کی ماں کے وجود سے پھوٹتی تھیں۔

اس نے سائیکل کو اسٹور کے باہر پھینکا اور بھرپور

طاقت سے شیشے کے دروازے کو دھکیل کر اس کے سر پر پہنچا۔

دور کھڑے درگزر نے اس کے انداز کو حیرت سے دیکھا۔ وہ اس لڑکے کو جانتے تھے۔ وہ کافی عرصے بعد اسٹور میں آیا تھا اور ایک نئے اور عجیب انداز میں آیا تھا۔ وہ اس کے سر پر پہنچا اور اس کا بازو گھسیٹ کر کھڑا کیا اور اسٹور سے باہر لے گیا۔

”ولید کو فون کر کے تم نے بتایا تھا میرے بارے میں؟“

اس کی آواز بلند تھی اور اس کا انداز۔ اس کی آنکھیں۔ اف! امرحہ کا دل چاہا، وہ اپنی آنکھیں بند کر لے اور اپنے سکڑتے دل کو بند ہو جانے کا عندیہ دے دے۔

اس کی پلکیں لرز رہی تھیں اور اس کا انداز اس کے گال پر موجود خراشوں سے رستا خون تکلیف سے اس کی بے نیازی ظاہر کر رہا تھا۔ اس کے بازو پر موجود اس کا ہاتھ اتنا گرم تھا کہ اس کی کھال میں گرم سلاخ کی طرح گھس رہا تھا۔

وہ سمجھ گئی۔ اس نے اس کا ایسا شدت پسندانہ انداز پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”عالیان! اتنی ہی آواز نکل سکی۔“

”ولید کو فون تم نے کیا تھا؟“ وہ دھاڑا۔

اسٹور کا منیجر اسٹور سے باہر نکل آیا تھا۔ اسٹور کے اندر کام کرتے درگزر کام روک کر اور کسٹمرز جو توں سے نظریں ہٹا کر شیشے کی دیوار کے پار کھڑے انہیں دیکھ رہے تھے۔ سڑک پر چلتے کچھ دوسرے لوگ چونک کر ان کی طرف دیکھ کر گزر رہے تھے۔

”کیا ہوا۔ ہے تمہیں۔“ خوف سے اس کا سانس رک جانے کو تھا۔

”تم نے فون کیا ہے نا؟“ وہ پوری قوت سے پھر سے چلایا اور اس کا گرم ہاتھ اس کی کھال میں گھسنے لگا اور وہیں اس کا خون جم گیا۔ اس کے دل میں تکلیف اٹھی، اور اس نے مرجانا چاہا۔

”صرف اس لیے عالیان کہ مجھے۔“

اس کا جملہ گال پر پڑنے والے طاقتور تھپڑ سے
درمیان میں ہی رہ گیا۔ اور اس کے سفید گال پر اپنے
ثبوت ہونے کا نشان چھوڑ گیا۔

ہونٹوں کے کنارے تھر تھرائے آنکھوں کی
پتلیاں ساکت ہو گئیں۔ اور اس نے جان لیا ”سب
ختم“

یورپ کا سفر پچھتم میں تمام ہوا۔ اور سورج ڈوب
گیا۔

پروگ (جدائی) نے اپنی آمد کا طبل بجایا۔

اب وہ اس کا عالیان رہا نہ وہ اس کی امرجہ۔

اور پھر اس قموش نے بدہیت ہوتے ہوئے انگلی
اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ تھپڑ تمہیں اس
وقت پڑنا چاہیے تھا جب تم نے میری ماں کی بے
عزتی کی تھی۔ یہ تھپڑ ولید کو بھی اس عورت کے
ہاتھوں پڑنا چاہیے تھا جو میری ماں تھی۔ اب میں دنیا
میں کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ وہ میری ماں
پر انگلی اٹھائے۔“ الفاظ کی ادائی میں ایسی ٹوٹ پھوٹ
تھی جیسے وہ صدیوں سے لکنت زدہ رہے ہوں۔

آج سے پہلے اس کی آواز ایسے اونچی نہیں ہوئی
تھی۔ آج سے پہلے وہ ایسے بے قابو نہیں ہوا تھا۔

امرجہ کا عالیان۔ وہ اس روپ کا سوداگر کیونکر ہوا؟
اگر اس کے ہاتھ میں مشعل دی جاتی تو وہ دنیا کو آگ
لگانا شروع کر دیتا اور شروعات خود سے کرتا۔

میری ماں کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ولید سے
محبت تھی اور میری تم سے۔“ اس کے لکنت زدہ
جملوں نے ادائی میں پھر وقت لیا۔

”تم ہر مارنے انداز سے دکھ دیتی ہو۔ کتنی ظالم ہو
تم امرجہ۔“ ان آخری جملوں نے صدیوں سے بھی
کیس آگے کا سفر طے کیا اور اس کی زبان سے ادا
ہوئے۔

اس کے ان الفاظ پر امرجہ کا جی چاہا ”مر جائے۔“

وہ اسٹور کے ایک طرف گری اپنی سائیکل کی
طرف لپکا۔ اس کی ناک سے خون نکلنے لگا تھا۔ اس کی
ویسٹ پر قطرے گر رہے تھے۔ اس کے پاس اس خون

سے نبٹنے کا جذبہ باقی نہیں رہا تھا۔ وہ کس کس زخم کی
رک کر دیکھ بھال کرتا۔

امرجہ اس کے پیچھے لپکی اور اس کا بازو پکڑ لیا۔
”مجھے معاف کرو عالیان۔“

اس نے جھٹک کر اپنا بازو اس سے آزاد کروایا اور
گری ہوئی اپنی سائیکل اٹھانے لگا۔ خون کے قطرے
سڑک پر گرے۔

”میں نے یہ سب اس لیے کیا۔ تمہارے لیے کیا۔
عالیان! بہت محبت کرتی ہوں میں تم سے۔“ پہلی بار
اس نے عالیان کے سامنے اس محبت کا اقرار کیا۔ ناحق
کیا۔

”یہ سب دادا کے لیے۔ میں تو۔ میری بات سنو
اللہ کے لیے۔“

”میرے لیے اب تم مر چکی ہو امرجہ۔“ گیلی ناک کو
اس نے آستین سے رگڑا۔

اس کے خون اور اس کی آنکھوں پر امرجہ کی نظریں
گرزی تھیں۔

”تمہارے بغیر میں مر ہی جاؤں گی۔ پلیز میری بات
سن لو۔“ اس نے لپک کر پھر سے اس کا بازو مضبوطی
سے تھام لیا۔

وہ سائیکل پر بیٹھ چکا تھا۔ ”جاؤ کرو دیکھو یہ بھی۔ مجھے
کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“

خون آلود آستین کو اس نے امرجہ کی گرفت سے
آزاد کروایا۔

”اگر فرق ہی دیکھنا ہے عالیان! تو چلو پھر مر کر دیکھتے
ہیں۔“ وہ استہزائیہ ہنس دی اور ساتھ ہی رو دی۔

وہ سائیکل لے کر چلا گیا۔

برہ کی نزولیت نے آسمان تک بلند قلعے کھڑے کرنا
شروع کر دیے۔ اس نے اسے جاتے دیکھا۔

وقت نے اپنے تھال سے ”رمز حقیقی“ کا پہلا سکہ
اچھالا۔

اس نے خود کو اکیلے کھڑے پایا۔

وقت نے اسی تھال سے ”خط تقدیر“ کا دوسرا سکہ
اچھالا۔

اس پر انکشاف ہوا وہ اسے اپنے ساتھ نہ لے گیا۔
تیسرے سکے کا وارو وقت نے اس کے دل پر کیا جو
”فراق یار“ کا تھا اور وہ رونے لگی۔

اے آنکھ تو کیوں روتی ہے
نگاہ محبوب نے مجھے ایک داستان سنائی
اے آنکھ پھر تو کیوں روتی ہے
وہ داستان عشق تھی
اے آنکھ پھر تو رونا بند کر۔
اس میں میرا نام تھا جواب مٹ چکا
ہاں اب تو رو۔

اندھیرا رات کی تاریکی سے نہیں نصیب کی تاریکی
سے بڑھ جاتا ہے۔
اندھیرا دکھ کا ہم چولی۔
ایسا اندھیرا پھر جس کی تاریکی میں جلد کوئی سورج
طلوع نہیں ہوتا۔

ناک سے بنے والا خون تھک کر رک چکا تھا۔ اس
نے اتنی زحمت بھی نہیں کی تھی کہ نشوونما پر رکھ
لیتا۔ درپردہ اس نے اپنی جان لینے کی کوشش کی تھی
شاید۔ وہ اس وقت اس کیفیت میں نہیں تھا جس میں
”میں کتنا دکھی ہوں“ سوچا جایا کرتا ہے وہ اس وقت
اس کیفیت میں تھا جس میں کوئی سوچ کام نہیں کرتی۔
کرسی پر وہ چپ بیٹھا تھا۔ ہاتھ گود میں تھے۔ کرا
اندھیرے میں۔ اور وہ خود ”گمشدہ“

سائی اس کے کمرے کا دروازہ بجا رہا تھا لیکن ایسا
نہیں تھا کہ وہ کھول نہیں رہا تھا بس ایسا تھا کہ وہ سن
نہیں رہا تھا۔ سائی کو سادھنا نے فون کیا تھا اور وہ فوراً
اس کے کمرے کی طرف لپکا تھا۔ کارل موجود نہیں تھا
جب سے آف ہونے کی وجہ سے وہ کلب چلا گیا تھا اور
یقیناً ”یا گلوں کی طرح ناچ رہا ہوگا“ اسی لیے فون نہیں
اٹھا رہا تھا۔ صرف وہی اس کا کرا کھول سکتا تھا اور جب
اس نے فون اٹھا لیا تو آنے میں اسے ذرا وقت نہ لگا۔
سائی نے مختصراً ”اے سب بتایا اور کرا کھول کر کارل

سائی کو باہر ہی چھوڑ کر عالیان کے پاس آ گیا۔
کارل اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تو عالیان
کو اس کی موجودگی کی خبر ہوئی۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر
کارل کو دیکھا تو کارل کے لیے گھٹنوں کے بل بیٹھے رہنا
مشکل ہو گیا اس کا دل رک کر پھر چلا۔

”عالیان!“ اس نے اس کے زخم خوردہ گال پر ہاتھ
پھیرا اور اس کی اپنی آنکھیں نمی سے چھلک جانے کو
ہو گئیں۔ جب اس پر پہلی باریہ اور اک ہوا تھا کہ وہ دنیا
میں اکیلا ہے تو اس کی آنکھیں ایسی ہو گئی تھیں اور
اس کے بعد اب اس نے زندگی میں جس پہلے انسان
کے ساتھ محبت کی تھی وہ عالیان تھا اور جس کے لیے وہ
آگ میں کود سکتا تھا وہ بھی عالیان ہی تھا۔

اس نے گود میں رکھے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں
لیے اور اس پر ظاہر ہوا جیسے اس نے کسی مرچکے انسان
کے ہاتھوں کو چھو لیا۔ ان ہاتھوں میں زندگی کی بو جھل
پیش بھی تپید تھی۔

اس کے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کے ناخن جڑ سے
اکھڑے ہوئے تھے اور اتنی تکلیف پر بھی وہ کیسے
خاموش تھا۔ اس میں سن زیادہ تھی یا فراموشی
”تم کب بڑے ہو گے عالیان؟“ اس نے اس کے
سر کے بال نرمی سے مسلے اور اس کی لاپتا نظروں کا پتا
کرنا چاہا۔ پھر وہ اٹھ کر اس کی وارڈ روب تک آیا اور
نچلے خانے میں رکھا فرسٹ ایڈ باکس نکالا اور گھٹنوں
کے بل اس کے سامنے بیٹھ کر روئی سے اس کے گال
صاف کرنے لگا۔ اس کی ناک کے پاس خون کے
لو تھڑے جمے تھے۔ انہیں اس نے نرمی سے صاف کیا
اور پھر ان ناخنوں کو جو سارے اکھڑ چکے تھے لیکن ذرا
سے جڑ کے ساتھ چپکے ہوئے تھے، کٹر سے کاٹا اور
عالیان نے ”سی“ بھی نہ کی۔

”تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میری کچھ سانسیں تم
میں سے راستہ بنا کر مجھ تک آتی ہیں اور یہ بھی نہیں
بھولنا چاہیے کہ کارل کا شمار بھی بد نصیبوں میں ہوتا،
اگر اس کے پاس عالیان نہ ہوتا۔“
”وہ مجھ سے ملنے بھی آیا تو اپنے فائدے کے لیے

ویرانیاں بہت تفصیل سے دیکھیں۔
 ”میں اس سے محبت کرتی تھی۔ اس کے لیے ہر حد
 سے گزر گئی۔“
 ”ہر حد سے۔ ہاں تم گزر گئی۔ اور دیکھو اسے کتنی
 تکلیف ہوئی۔ کیا ابھی تمہیں عالیان نے کوئی تکلیف
 دی۔“

اس نے ناں میں سر ہلانا فرض جانا۔
 ”مرحہ! پہلے تم خود یہ فیصلہ کر لو کہ تمہیں کیا کرنا
 ہے۔ جب اس نے تمہیں پروپوز کیا تو تم نے کہا تم اس
 سے محبت کرتی ہو لیکن اس محبت کو اپنا سکتی ہو نہ اس کا
 اعلان کر سکتی ہو۔ تمہیں اس سے الگ رہنا ہے۔ پھر
 تم نے کہا کہ تم اس کے بغیر نہیں رہ سکتیں اور تم اپنے
 گھر والوں سے بات کرنا چاہتی ہو۔“
 ”میں نے دادا سے بات کی تھی۔“ اس کی روح نے
 اس کے جسم کو اکیلا چھوڑنا شروع کر دیا۔

”مرحہ! ایک سیدھی سی بات ہے وہ جہاں ہے
 جیسا ہے۔ تمہیں اسے ایسے ہی قبول کرنا ہے۔ تم اس
 کے معاشرتی رتبے کو بدل کر ہی اسے اپنا نہیں سکتیں۔
 یہ منافقت ہوگی۔ تم ایسے اس کا حساب کتاب نہیں
 کر سکتیں۔ یہ کوئی کھیل نہیں ہے کہ جب تم کھیل
 سکو تو ٹھیک ورنہ تم چھوڑ کر چلی جاؤ کہ تم نہیں جیت
 سکتیں۔ اور جاتے جاتے تم اسے ہرا جاؤ۔ ابھی غور کیا
 ہے مرحہ کہ تم نے اس شخص کا کیا حال کر دیا ہے۔ تم
 سے پہلے وہ اور کارل سب کا ناک میں دم کیے رکھتے
 تھے۔ بڑھنے کے علاوہ جو انہیں دوسرا کام ہوتا تھا وہ
 شرارتیں تھا۔ یہاں سے جانے والا ہر اسٹوڈنٹ
 یونیورسٹی کو پھول سکتا ہے لیکن اسے نہیں۔ اس کی
 ایک زندگی تھی ہستی مسکراتی، کھلکھلاتی ہوئی۔ اور
 تم نے خود یہ قبول کیا تھا کہ تم جانتی تھیں کہ وہ تمہیں
 کس قدر پسند کر رہا ہے اور تم نے یہ ہونے دیا۔ تم کیا
 اختتام چاہتی ہو اب اس سارے قصے کا مرحہ۔ کہ
 سب ٹھیک ہو جائے۔ تم مرحہ پہلے خود کو ٹھیک کرو۔
 فیصلہ کرو اور خود کو سناؤ۔“

سائی ذرا دیر کے لیے رکا۔

کارل! میرا باپ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں اس
 کے بغیر کیسے رہا۔ اتنے سال۔ میں نے اس کے بغیر
 کیسے گزارے۔ میری ماں کب اور کیسے مر گئی۔ اس کی
 قبر کہاں ہے۔ وہ کتنی تکلیف میں رہی۔ اس پر کیا کیا
 جیتی۔ کوئی ایک بھی بات اس نے نہیں پوچھی۔“
 عالیان نے بولنا شروع کر دیا اور کارل نے خود کو کئی
 راتوں اور کئی دنوں تک سننے کے لیے تیار کر لیا۔ اس
 نے عالیان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے رکھے
 تھے اور وہ انہیں نرمی سے ٹھیک رہا تھا۔
 دوسری طرف مرحہ سائی کے سامنے کھڑی تھی۔
 دونوں ہال کے پردی گیٹ کے باہر کھڑے تھے۔
 ”بھی وہ ٹھیک نہیں ہے۔ تمہارا اس سے ملنا
 ٹھیک نہیں ہے۔“ سائی نے قدرے سختی سے کہا۔
 ایسی سختی سے جو اس کے مزاج کا خاصا نہیں تھی۔
 ”وہ غصے میں نہیں تکلیف میں ہے سائی! میں نے
 سب نیک نیتی سے کیا۔ میرا یقین کرو۔“

”نہیں“ تم نے نیک نیتی سے نہیں سنگدلی سے
 کیا۔ اپنے لیے کیا مرحہ! تمہیں اپنے خاندان کے لیے
 اس کا خاندان چاہیے تھا۔ تمہیں اس سوال کا جواب
 معلوم کرنا تھا کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ تمہیں اس پر
 ایک لیبل چاہیے تھا۔ ”اس کے خاندانی ہونے کا۔“
 تم ہر بات میں مجھ سے مشورہ کرتی ہو نا مرحہ! تم
 نے اس بات کو لے کر مجھ سے مشورہ کیوں نہیں کیا
 اگر تم مجھ سے پوچھتیں تو میں تمہیں منع کر دیتا۔ مرحہ
 اتنی سیدھی سی بات تم نہیں سمجھ سکیں کہ خاندان لاپتا
 نہیں ہوا کرتے وہ خود کو لاپتا کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی اس کا
 باپ تھا تو وہ اب تک کہاں تھا۔ اس نے بے سہارا
 بچوں کے ادارے میں پرورش کیوں پائی۔ ایک دوسری
 خاتون نے اس کی ماں ہونے کا فریضہ کیوں ادا کیا اور
 اسی خاتون نے اس کے باپ کو اس کے بارے میں
 کیوں نہیں بتایا۔ وہ اسی حالت سے ڈرتی تھیں جس
 حالت میں اب عالیان ہے۔ تم تھوڑی سی عقل
 استعمال کرتیں تو سب سمجھ جاتیں۔“

مرحہ کی آنکھوں نے اس کی ذات کے اندر کی

”لیکن اس سے پہلے میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ فی الحال عالیان سے دور رہو۔“
 امرجہ نے کیلی ہو چکی دل کی دھرتی سے آنکھیں اٹھا کر سائی کو دیکھا۔ ”ہر طرف سے اسے دور رہنے کے فیصلے سنائے جا رہے تھے۔“
 ”اس کے فادر اسے پہلے سے ہی ڈھونڈ رہے تھے۔“

”ہاں۔ میں جانتا ہوں۔ لیڈی مرنے مجھے بتایا تھا سب۔ جب اتنے عرصے تک وہ انہیں عالیان سے دور رکھتی رہیں تو تم نے یہ کامیابی انہیں کیوں حاصل کرنے دی۔“
 تمہیں لگا کہ وہ عالیان کے ساتھ ٹھیک نہیں کر رہیں؟ اسے اس کے باپ سے ملنے نہیں دے رہیں؟

”ہاں۔“ اس نے بچ بولا۔
 ”جب تم نے مجھے بتایا تو میں نے دعا کی کہ یہ حرکت تمہارے حق میں جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ امرجہ ہم میں سے کون ہے جو تمہارا برا سوچتا ہے۔ تمہیں ہماری کوئی ایک بات تو ماننی چاہیے تھی۔“
 سائی کتنا ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ دادا کے پاس چلی جائے اور انہیں سمجھائے۔ لیکن اسے یہ خوف تھا کہ دادا اسے واپس ہی نہیں آنے دیں گے۔
 ”پہلی بار مجھے دکھ ہوا امرجہ! کہ میں ایک سخت دل انسان کا دوست ہوں۔“

”اس کے جدا ہونے کے خیال سے میرا دل سخت ہو گیا۔“ اس نے اپنا جرم مان لیا۔
 ”اس نے خود کو ویرا کے قریب کیوں ہو جانے دیا۔“ یہ وہ دکھ تھا جو اسے ساری زندگی نہیں بھولنے والا تھا جو اس کی آخری سانس تک اسے بچر کیے رکھنے والا تھا۔

”تم نے اسے دور کیوں ہو جانے دیا۔؟“
 ”اس کی محبت میرے لیے اتنی جلدی ختم ہو گئی؟“
 ”اب تمہاری محبت اس کے لیے ایک دم سے اتنی

جاگ اٹھی کہ تم یہ سب کر گزریں۔ یا تمہیں یہ سوچ کر سکون ملتا رہا ہے کہ وہ محبت تو تم سے ہی کرتا ہے۔ نا۔ اور تمہیں یہ دکھ ہوا کہ وہ کسی اور کی طرف کیوں متوجہ ہوا۔ اسے تمہارے پیچھے ہی رہنا چاہیے تھا اور پھر جو چاہے تم اس کے ساتھ کر تیں۔ ویرا نے خود اسے پروپوز کیا اس نے اسے بڑھوایا نہیں دیا تھا۔ وہ اس کا دوست تھا۔ اگر۔۔۔ محبت کو ایک طرف رکھ دیا جائے۔ تو امرجہ اور ویرا میں سے عالیان کے لیے بہتر کون ہے۔ میں چاہوں گا تم اس بارے میں بھی سوچو۔“

امرجہ نے سیاہ۔۔۔ چٹلیاں غیر مرئی نقطے سے ہٹا کر سائی کی طرف دیکھا، اور دیکھتی ہی رہی۔ ”ویرا“ اسے کچھ وقت لگا یہ نام بڑھانے میں۔
 ”ہاں اگر محبت کو ایک طرف رکھ دیا جائے تو امرجہ میں کیا ہے؟“ اس نے خود سے سوال کیا۔
 ”کتنی ہی امرجہ ہوں گی دنیا میں۔ لیکن کتنے بہت سے عالیان نہیں ہوں گے۔“

”پال کے حملے کے بارے میں جب ہمارے ہال میٹ نے بتایا تو ہم سب پیٹ پر ہاتھ رکھے شاہ ویز اور کارل کے ٹھیکر رہیں رہے تھے اور اسی وقت اس کی ہنسی ایسے رک گئی جیسے دوبارہ وہ کبھی نہیں ہنس سکے گا۔ وہ ساری رات نہیں سو سکا امرجہ۔ جے پیٹرن نے تین لوگوں کی ڈیوٹیاں نہیں لگائی تھیں اس نے لگائی تھیں۔ وہ کارل اور ویرا، کتنی ہی راتیں تمہیں خاموشی سے گھر تک بحفاظت چھوڑ کر آتے رہے، انہوں نے ظاہر کر کے تم پر احسان نہیں جتایا۔ تمہاری ہمت، بہادری، حکمت کو انہوں نے صرف تمہارا ہی رہنے دیا۔ تمہیں ایسے لوگوں کی قدر کرنی چاہیے۔ تمہیں ان کے ماضی کے بد نما داغوں کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ وہ جہاں ہیں جیسے ہیں، تمہیں قبول کرنا چاہیے۔ امرجہ ہم سب نے ہارٹ راک میں چلنے والی ریکارڈنگ سنی اور کبھی یہ ظاہر نہیں کیا کہ ہم نے کچھ سنا ہے۔ اور تم نے۔ تم نے اب تک کیا کیا؟“
 ”دعائیں۔ بس دعائیں۔“

”میں تمہیں شرمندہ نہیں کر رہا ہے۔“

”اسے میرے آنے کے بارے میں مت بتانا

سائی۔!“

”میں ضرور بتاؤں گا۔ لیکن تم ابھی گھر جاؤ۔ میرا لوجہ اور انداز برے ہو سکتے ہیں لیکن میرا مقصد غلط نہیں ہے۔“

”میں جانتی ہوں سائی۔ لیکن میرے آنے کے بارے میں تم اسے نہ بتانا۔ میرے دادا ابھی نہیں مانیں گے۔ اور اب تو عالیان بھی نہیں مانے گا۔ میں اس کے لیے ”کوئی نہیں“ بھی نہیں رہی اب۔ اور وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے اور وہ پہلے بھی غلط نہیں تھا۔“

”میں چاہتا ہوں تم پر سکون رہو۔“

”ہاں میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ لیکن چاہنے سے سب کہاں ہوتا ہے۔“

”تم گھر جاؤ آرام کرو۔“

”ہاں مجھے آرام کرنے کی ہی راہیں ڈھونڈنی پڑیں گی اب۔!“

وہ گھر آئی تو پولیس کی ایک گاڑی کھڑی تھی اور اندر آفیسر لیڈی مہر کے پاس بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔

”عالیان کا باپ آیا تھا امرجہ۔“ سادھنا اس کے قریب آئی۔

”دونوں میں بہت دیر بات چیت ہوتی رہی پھر پولیس بلوائی پڑی۔“ سادھنا اس کی شکل پر کچھ کھوج رہی تھی۔

”تم نے ٹھیک نہیں کیا امرجہ۔“ اس نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

امرجہ کے پشتاؤ پر یہ بات آخری سل جو آکر گری اور امرجہ پوری کی پوری دفن ہو گئی۔

لیڈی مہر نے بہت سرد نظروں سے امرجہ کو دیکھا اور جو تھوڑی بہت قوت امرجہ میں بچی تھی وہ بھی جاتی رہی۔ اس کا جی چاہا دو بار پر تنگی بندوق اتار کر اس میں کارتوس بھر کر اپنی کھوپڑی اڑا دے۔ اور بس پھر سب ٹھیک۔

ایک لڑکی ہے امرجہ۔

کشمیر کے سبزہ زار سی۔

پرستان کے گلاب سی۔

زمرد جڑے عطر دان سی۔

وہ کمرے میں آگئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی پھر اٹھ گئی وہ اتنی پتھر جگہ پر نہیں بیٹھ سکی پھر وہ کرسی پر بیٹھی اور اسی ایک تکلیف کو محسوس کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے واش روم میں بہت دیر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اس کے گال کی سرخی پھر بھی بد ہم نہ ہوئی۔

وہ کمرے میں جگہ بدل بدل کر بیٹھنے لگی اور آخری وقت میں وہ کرسی کے پیچھے نیچے کونے میں خود کو محفوظ سمجھنے لگی۔ اس کی کیفیات میں کوئی سوداگی حلول کر گیا اور اس کی ہوش مندی کو کوئی وحشی لے اڑا۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا۔ اسے بہت دیر تک اپنے زندہ رہ جانے کے خیال سے خوف آیا۔

ایک لڑکی ہے امرجہ۔

نافرمان کی بددعا سی۔

ساحر کے جلال سی۔

اور موت کے الہام سی۔

اس کی زندگی کہیں بہت لمبی نہ ہو جائے اس پر یہ خیال کوڑے برسانے لگا۔

”تم کتنی ظالم ہو امرجہ؟“

”ہاں میں بہت ظالم ہوں۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ میں بہت بری ہوں۔ میں نے اب ٹھیک ٹھیک خود کو پہچان لیا ہے۔“

زمین کا وہ کونا۔ مشرق۔ اس کی مٹی کی زرخیزی میں ہی ”بنجر بن“ کی گانٹھیں گندھی ہیں۔

مشرق کا یہ کونا امرجہ۔ اس کی زرخیز جڑوں میں گندھی گانٹھیں کھلنے لگیں اور اس پر اس کا بس نہ چلا،

اور وہ اس بس نہ چل سکنے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کتنی گھنٹے ایسے ہی گزر گئے۔ رات نے اپنا سفرنا تمام کرنے کی قسم اٹھالی اور قسم نے نہ ٹوٹنے کا عہدہ

باندھ لیا۔ ساری نزاکتیں اس کے اندر دم توڑنے

لگیں اور سارے ارمان خود کو خود دفنانے لگے۔ وہ روتی رہی اور پریم روگی جڑیں اس میں سے پھوٹنے لگیں۔

میز پر رکھا اس کا فون کب سے بج رہا تھا، رات کے تین بجے تھے۔ فون بہت دیر تک وقفے وقفے سے بجتا رہا۔

”امرحہ! تمہارے دادا کا فون ہے۔ تم فون کیوں نہیں اٹھا رہیں، وہ بہت پریشان ہو رہے ہیں۔“ بہت دیر تک اس کا دروازہ بجانے کے بعد سادھنا تیز آواز میں چلانے لگی۔

”وہ کہہ رہے ہیں، تم سے ابھی بات کرنی ہے وہ بہت گھبرائے ہوئے ہیں۔ شاید ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ امرحہ کہاں ہو۔ امرحہ۔ دروازہ کھولو۔“

انعامہ صاف کر کے امرحہ نے ذرا سادروانہ کھول کر یہ کہنا چاہا کہ ان سے کہہ دے کہ وہ سو رہی ہے اور کل دن میں بات کرے گی، لیکن سادھنا کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا اور دادا سامنے ہی تھے۔

دادا نے اسے دیکھا اور جیسے کسی خدشے کی تصدیق ہو گئی۔ وہ اس سے ناراض تھے اور کتنے ہی دنوں سے اس سے بات نہیں کر رہے تھے۔ آج انہیں کسی پل چین نہیں آ رہا تھا ان کی آنکھوں سے آنسو اپنے آپ گر رہے تھے۔

”امرحہ!“ وہ اس کا نام لے کر آگے بولنا ہی بھول گئے۔

سادھنا لیپ ٹاپ کو میز پر رکھ کر بہت دکھ سے امرحہ کو دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

”تم ٹھیک ہو؟“ دادا کو نظر آگیا تھا پھر بھی پوچھا۔

”بالکل!“ اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

”تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے اور تمہارا چہرہ...؟“

”ٹھیک تو ہے سب۔“ کہہ کر وہ جیسے مسکرائی دادا پر بجلی سی گری۔

”نہیں مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔“ دادا نے

ہمت کر کے کہہ دیا۔

”کیوں۔۔۔ اب آپ کو ٹھیک کیوں نہیں لگ رہا۔ اب ہی تو سب ٹھیک ہوا ہے۔ میں نے آپ کے لیے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ اب آپ کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔“

”تم ناراض ہو مجھ سے؟“ اس کی حالت کے مقابلے میں یہ سوال انہیں بہت بودا لگا۔

”نہیں۔۔۔ ناراض تو آپ مجھ سے ہو سکتے ہیں۔ میں نہیں۔۔۔ یہ حق مجھے کہاں دیا گیا ہے۔“

”تم طنز کر رہی ہو مجھ پر؟“

”یہ گستاخی میں کیسے کر سکتی ہوں؟“

”تمہیں کیا ہوا ہے امرحہ، مجھے بتاؤ، میں سوتے سے اٹھ بیٹھا۔ میرا دل بند ہو جانے کو ہے۔“

”آپ کو معلوم ہے دل بند ہو جانا کسے کہتے ہیں؟“ آنسو آنکھوں سے ٹپ ٹپ کرنے لگے۔

”امرحہ۔۔۔ دادا۔۔۔ کانپ سے گئے۔“

”مجھے معلوم کرنا ہے دادا! دل بند ہونا کسے کہتے ہیں، آپ کو بتانا ہی پڑے گا مجھے۔“

”جب۔۔۔ جب جان سے پیارا کوئی تکلیف میں میری بچی۔“ دادا کو بولنا پڑا۔

”اور جان سے پیارا کون ہوتا ہے؟“

”تم ہو مجھے جان سے پیاری۔ تم۔“ ان کی اپنی آواز کانپ کر رہ گئی۔

”ہونہ۔۔۔ دادا دل تب بند نہیں ہوتا جب جان سے پیارا تکلیف میں ہوتا ہے، یہ دل تب بند ہونے لگتا ہے جب کوئی جان سے پیارا جان چھڑا لیتا ہے۔“

جب وہ خود سے دور کر دیتا ہے۔ جب وہ منہ پر تھپڑ مار دیتا ہے اور جب وہ۔۔۔ جب وہ کہتا ہے ”جاؤ آج سے تم میرے لیے مر گئیں۔“ اس کی کئی گھنٹوں تک رو چکی

آنکھوں نے پھر سے خود کو آنسوؤں کے حوالے کر دیا۔

”امرحہ۔۔۔؟“ دادا اتنا ہی بول پائے۔

”اور جاننا چاہیں گے کیا ہوتا ہے۔ جب وہ یہ کہہ دیتا ہے تو مرجانے کو دل چاہتا ہے۔ دل چاہتا ہے حلق

میں ہاتھ ڈال کر سانس لیں اور زندگی سے جڑا

نوت نہیں آئے گی اس نے جب کہا تم میرے لیے مر چکی ہو۔ یہ کام تب ہی ہو گیا تھا۔“

”امرحہ! میری بات سنو خدا کے لیے۔“

”آپ چپ کر کے مجھے سنیں۔ خدا کے لیے آپ کو یہ شکوہ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ سے سب کہا نہیں گیا۔ وہ اعلان سنیں جو مجھے بلندی پر چڑھ کر کرتا تھا۔ کل عالم کو اکٹھا کر کے۔ اب صرف ایک آپ کے سامنے کرتی ہوں۔“ خشک ہونٹوں کو اس نے زبان سے گیلایا جیسے اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ اس حالت میں اس کا نام لیں۔

”مجھے انسانوں سے دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن مجھے کیا پتا تھا انسانوں میں کوئی عالیاں بھی ہے۔“ دادا نے اپنے لب بھینچ لیے۔

”ہم مشرقی لوگ بہت عجیب ہوتے ہیں دادا بیٹیوں کی رخصتی کے خیال سے ہی ٹھنٹوں روتے رہتے ہیں، اور ان کے دل کے ارمانوں کی رخصتی پر ایک آنسو نہیں بہاتے۔ ہمیں یہ مان رہتا ہے کہ ہماری اولاد ہمارا سر نیچا نہیں کرتی اور ہم یہ غور حاصل نہیں کر پاتے کہ ہم نے اولاد کی خوشیوں کو نیچا ہونے نہیں دیا۔ دادا ہمارے سروں پر خاندان کی عزت کی پگڑیاں سجائی جاتی ہیں اور ہمارے دل کے تخت سونے رہ جاتے ہیں اور کوئی ان پر آہ بھی نہیں بھرتا۔ مشرقی عورت ارتقا کا ذریعہ کیوں ہے۔ خود ارتقا کیوں نہیں؟ یہ سوال میں نے خود سے کئی بار پوچھا اور خود کو یہ بھی ہناتے بتایا کہ مشرق ایک گنجال خطہ ہے۔ فلسفیوں کے ان فلسفوں سے بھرا ہوا جن کے پیندے میں تعصب ہوتا ہے اور کنارے پر منافقت۔“

آپ بھی وہی مشرقی فلسفی نکلے۔ میں نے آپ سے اس کی بات کی اور آپ نے مجھے چپ ہو جانے کے لیے کہا۔ یہ چپ کا تالا۔ اس کی چابی کہاں گم رہتی ہے۔ کبھی تو اس تالے کو کھلنے کی اجازت دیں، ہمارے یہاں کی حکم کی پٹاریوں کے غلام جن بیٹوں پر ناچتے ہیں ان بیٹوں کو کبھی تو توڑا جائے۔

اب آپ مجھے بتائیں کہ میں آپ کے خطے کے

ان کا تعلق کاٹ ڈالیں، جسم چیر کر دل یا ہر نکال پھینکیں، اور رگوں کو چھید کر ان میں دوڑتا خون بہا ڈالیں۔“

”امرحہ۔ کیا کرنے جا رہی ہو تم؟“ دادا کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں اور اپنے بیڈ پر بیٹھے رہنا ان سے مشکل ہو گیا۔

”سنیں دادا، سب سنیں اب۔ میں آپ کو سب بتاتی ہوں۔“ لیب ٹاپ میز پر رکھا اور وہ سامنے نیچے آتی پالتی جھا کر بیٹھی تھی اس نے اپنی ناک رگڑی اور ایک گہرا سانس لیا۔

”انسانوں کے جھوم میں مجھے ایک انسان ملا۔ ایک انسان دادا۔ جانتے ہیں انسان کسے کہتے ہیں۔ جس کی آنکھوں میں احترام ہو اور الفاظ میں نرمی۔ جس کے اخلاق میں رحم دلی ہو اور مقاصد میں اعلا ظہری۔ جو ساتھ ہو تو شان ہو ورنہ سب گمان ہو۔“

ایسا انسان جو بولتا ہے تو زخموں پر مرہم رکھتا ہے اور نہ بولے تو زخم ہرے نہیں کرتا۔ جو احساسات پر کمندیں نہیں ڈالتا بلکہ ان پر پھوار بن کر رہتا ہے۔ وہ انسان دادا۔ مجھے ہمیشہ اپنی قسمت پر رشک رہا تھا اور یہ رشک اس انسان کے ملنے سے رشک ہو گیا۔ کبھی ملے ہیں آپ ایسے انسان سے؟ اس نے کبھی میرے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور سوال کیا بھی تو اتنا ”مجھ سے شادی کرو گی؟“

”امرحہ! چپ ہو جاؤ میں نے کہا نا!“ اس کی کیفیات میں کوئی سودائی حلول کر چکا تھا۔ اس سودائی سے دادا کو خوف آ رہا تھا۔

”کیوں چپ ہو جاؤں اب میں۔۔۔؟“ وہ رو کر ہی بولی۔

”مجھے تکلیف ہو رہی ہے تمہارے انداز پر۔“

”آپ کو صرف مجھے دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے۔ صرف دیکھ کر۔ خوش قسمت ہیں آپ۔ آپ امرحہ نہیں ہیں۔“

”کیا ہوا ہے۔ تم کیا کرنے جا رہی ہو؟“

”ڈریس مت میں مرنے نہیں جا رہی۔ اس کی

ہم تین اچھے انسان ایک دوسرے کے لیے اچھے نہیں ہو سکے۔

اس کی بھگی آواز خشک تر ہو گئی تھی۔
 ”اب میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں،
 اپنا دل نکال کر میں آپ کو دے دوں یا اسے کہیں
 باہر پھینک دوں کیونکہ اب یہ مجھے زندہ رکھنے کے
 بجائے مار ڈالے گا۔“

”امرحہ تم۔ تم کیا کرنے جا رہی ہو۔؟“
 ”ڈریس نہیں دادا۔ میں خود کشی نہیں کروں گی۔
 اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، اب مجھے طبعی موت
 مرنے میں دیے بھی زیادہ وقت نہیں لگے گا۔“
 ”میری حالت پر رحم کرو امرحہ!“ دادا نے ہاتھ جوڑ
 لیے۔

”آپ نے میری حالت پر رحم کیا۔ بالکل ٹھیک
 نہیں کیا آپ نے میرے ساتھ۔ کتنی معمولی وجہ
 تھی جس پر میں پہلے خود کشی کر چکی ہوں۔ اور اب
 میرے ہاتھ میں وہ معمولی وجہ بھی نہیں رہی جو مجھے
 زندہ رکھ سکے۔“

سادھنا امرحہ کے کمرے کا دروازہ بجارہی تھی جو وہ
 لاک کر چکی تھی۔ سادھنا کے ہاتھ میں فون تھا اور فون
 پر دادا تھے جو سادھنا کی منت کر رہے تھے کہ وہ اندر اس
 کے پاس جائے۔ اس کے پاس جو آلتی پالتی بارے کسی
 پر چھائی کی طرح اپنے آپ بولتی جا رہی تھی بولتی جا
 رہی تھی۔



(کیا عالیان کی زندگی میں ویرا کو امرحہ برداشت کپائے
 گی۔ یہ صدمہ اس کا دل سہ پائے گا؟ عمر بھر کا پچھتاوا
 دادا جان کا مقدر ہے؟)
 باقی کے واقعات آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں۔

کس حکیم کے پاس جاؤں کہ وہ میرے درد کو ٹھیک کر
 دے۔ لیکن زخم پر مرہم رکھے، زخم میرے تو جسم پر کوئی
 چوٹ ہی نہیں۔ مجھے کسی بزرگ سے دم کروانا
 چاہیے کہ اب آنکھیں بند کرنے پر مجھے نیند آجایا
 کرے اور منہ کھولنے پر سانس۔ ایک بات آپ ہی
 مجھے سکھا کر بھول گئے، جب میں نے اپنی ایک کانچ کی
 دوست چھوڑ دی تھی، آپ نے کہا تھا قیمتی انسان روٹھ
 جائے تو تمہیں اپنے نقصان پر پشیمانی سے رونا چاہیے،
 چیزوں سے لا پرواہی برتو اور انہیں کم کر دو۔ قیمتی
 انسان کی پروا کرو اور انہیں کم نہ ہونے دو۔
 اتنا کہتے کہتے وہ بیٹھے بیٹھے امرحہ سے برزن (بڑھی)
 ہو گئی۔ جوانی قصہ پارینہ ہو گئی۔

”دادا قیمتی انسان سے آپ کا مطلب“ حسب
 نسب والا قیمتی انسان“ ہو گا۔ اور باقی سب بے کار۔
 ہے نا۔ میں نے آپ سے کہا تھا میری زندگی ختم ہو
 رہی ہے، مجھے آگے زندگی نظر نہیں آ رہی۔ اور کس
 طرح کہتی دادا! کہ آپ سمجھ جاتے۔ ایک انسان آپ
 کے سامنے اپنے ختم ہونے کی نشانیاں بیان کرتا ہے اور
 آپ کہتے ہیں آپ کی سماعت پر گراں گزر رہا ہے۔
 میں یہاں آ رہی تھی تو آپ نے کہا امت سے کام لینا
 ہر مشکل کا مردانہ وار مقابلہ کرنا۔ اور اس۔ اس
 جدائی کا۔ اس کا مقابلہ میں نے سکندرانہ وار بھی کیا تو
 بھی شکست میرا ہی مقدر ہوئی۔ میں ختم ہونا شروع
 ہو گئی ہوں اور اس عمل کی تکمیل میں بہت وقت نہیں
 لگے گا۔ آپ دادا۔ اس نے آہ بھری۔

”آپ چاہتے تھے میں آپ کے سامنے ڈٹ جاؤں
 یا آپ چاہتے تھے میں دو میں سے ایک کا انتخاب کر لوں
 تو دادا میں نے آپ کا انتخاب کر لیا، میں ڈٹ سکتی تھی،
 اکیلے ہی فیصلہ کر کے آگے بڑھ سکتی تھی، لیکن میں نے
 آپ کے من سنان کو کرنے نہیں دیا۔ میں نے اپنے
 ساتھ برا کر لیا، لیکن آپ کے ساتھ برا نہیں ہونے دیا،
 آپ ایک اچھے انسان ہیں۔ میں بھی۔ وہ بھی۔



آٹھویں قسط

اس کا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا یا اندھیرا اس کے وجود سے نکل کر کمرے میں پھیلا تھا۔ اس کا فیصلہ کرنے والا وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اپنے زندہ اور مردہ ہونے کی تصدیق کر رہا تھا۔ اپنے زندہ ہونے کا صدمہ اس نے بڑے صدمے سے جھپلا۔ وہ اس احساس سے گزرا جو زندہ لوگوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔ اسی رات لیڈی مہرا سے اپنے ساتھ امریکہ

شعلہ زن غاروں سے چگاڑوں کی سام (زہر دینے والے) کی طرح اڑ کر اس کے وجود کے گرد منڈلانے لگیں مگر پاتال نے اپنے وجود میں اس کی موجودگی کا بگل بجایا۔
”عالیان مارگریٹ۔“

اس نے آنکھیں کھولیں اور جانا کہ اندھیرے کا سفر ابھی ختم نہیں ہوا۔ جس سفر کی چاہ نہیں تھی۔ وہ سفر بہت شوق سے اسے اپنے ساتھ کھیٹ رہا تھا۔

مکمل ناول



Copied From www.



Copied From Web

شارلٹ کے گھر لے آئی تھیں۔ اسے سکون اور ادویات اور نیند کی گولیاں دی گئی تھیں۔ پھر بھی وہ ایک اچھی نیند حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ وہ غنودگی میں بند رہتا رہا اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا۔ لیڈی مرنے اس کا سر اپنی گود میں رکھا ہوا تھا اور وہ مسلسل اس پر پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ انہیں ڈر تھا کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن نہ ہو جائے۔ اس کی آنکھوں کے گرد ویسے ہی گہرے گڑھے بن گئے تھے جو اس کی ماں کی آنکھوں پر قابض رہے تھے۔

مارگریٹ کو وہ اس اسپتال سے جانتی تھیں جہاں وہ اپنے چیک اپ کے لیے جایا کرتی تھیں۔ مارگریٹ اکثر ان سے عالیان کا ذکر کرتی۔ اس کے مرنے کی خبر معلوم ہونے کے بعد انہوں نے بہت مشکل سے عالیان کو ڈھونڈا تھا۔ انہیں مارگریٹ جیسی معصوم دل لڑکی کی موت پر اتنا دکھ تھا کہ وہ کئی راتیں روتی رہی تھیں۔

عالیان کو پہلی بار دیکھنا کسی صدے جیسا تھا۔ اتنے سے بچے کی صورت میں مارگریٹ کے آخری ایام

رہے بے تھے۔ اس کے مجسمہ وجود میں مارگریٹ کے رنگ اتنے گہرے تھے کہ انہیں خوف محسوس ہوا کہ یہ بچہ نارمل زندگی نہیں گزار سکے گا۔ وہ دنیا میں رہ کر دنیا سے الگ ہونے میں وقت نہیں لے گا اور اسی خوف کے سہارے انہوں نے پھونک پھونک کر قدم رکھے تھے۔ اسے ریزہ ریزہ جوڑا تھا۔ اسے دعاؤں اور محبت سے تعمیر کیا تھا۔ اس میں "انسان" لقب کند کیا تھا۔

اور ان کے شاہکار کو ولید ایک دھکے سے پاش پاش کر گیا تھا۔ انہیں اس سب کا ڈر تھا۔ اسی لیے ولید کو اس سے دور رکھ رہی تھیں۔ جن بچوں کے والدین کے ساتھ سانحات گزرے ہوں وہ بچے اس سانحہ کی پرچھائیں بن جاتے ہیں۔ وہ نارمل ہو کر اپنا رمل ہونے میں وقت نہیں لیتے انہیں سوتی بھی چبے تو وہ اپنے پرانے دروں پر رونے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسے بچے جنہوں نے معمول سے ہٹ کر بچپن گزارا ہو وہ کرب

کی ساری سرحدوں کو چھو کر آئے لگتے ہیں وہ رونے کے لیے کسی جلد باز کی طرح تیار رہتے ہیں اور خوش ہونے پر وہ خود کو خود ہی حیرت سے دیکھتے ہیں۔

بمشکل دو گھنٹے کی نیند لے کر وہ اٹھ بیٹھا اور گھنٹوں ہی پانی سے کھیلتا رہا۔ پانی کی بوندوں کو دیکھ کر اس نے سوچا وہ پانی ہی ہوتا۔ بہ جاتا۔ نشان چھوڑ جاتا اور مٹ جاتا۔ واش روم میں موجود ایک ایک چیز کو اس نے خوش قسمت جانا وہ ایک چیز پر نظر رکھتا سوچتا اور اگلی کی طرف ٹھہر جاتا۔ خود کو بے وقعت کرنے میں اس نے وقت نہ لیا اور وضاحت سے جان لیا کہ بد قسمتی "زندہ ہونا ہے۔" اور خوش قسمتی بے جان ہونا۔

اس نے گرم پانی کا استعمال نہیں کیا تھا اور ٹھنڈے پانی کے استعمال نے بھی اسے ٹھنڈا نہیں کیا تھا۔

اس کی شکست و ریخت کے ذرے سال خورہ ہو چکے لمحوں کی سطح پر تیرتے تھے اسے ترس کھائے دیکھ رہے تھے۔ وہ ابھی یہ طے نہیں کر سکا تھا کہ اسے سب سے زیادہ ماتم کس کا منانا ہے۔ اپنی ماں کا۔ ماں کے شوہر کا یا ان دونوں کی اولاد یعنی اپنا۔ اور سب سے

زیادہ نوحہ کننا اسے کس احساس پر ہونا چاہیے اپنی محبت پر۔ مارگریٹ کی محبت پر یا "تھو" سے بھی کمتر اپنی حیثیت پر۔

"جو روٹن اور شارلٹ کسی فلمی پارٹی میں جا رہے ہیں، تمہیں بھی لے جانا چاہتے ہیں۔" آخر کار جب وہ واش روم سے باہر آچکا تو بہت صبر سے اس کا انتظار کرتی۔ ماما مرنے انداز میں شوق بسا کر اسے لالچ سا دیا۔

"میں کیا کروں گا جا کر؟" تو لیے سے وہ اپنے گیلے بال رگڑ رہا تھا اور اپنی آنکھوں کی سرخی چھپا رہا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسنے کے سفر میں مبتلا لگتی تھیں اور ان پر تنی کمانیں زخمی گھڑسوار کی طرح بس زمین پر آ گرنے کو تھیں اور اس کی خوب صورتی وہ بازگشت لگنے لگی تھی جو صحراؤں میں پیاسے جانور ریت میں

”کیونکہ میں یہ جانتی تھی کہ وہ تمہیں کیوں ڈھونڈ رہا ہے“ اس کے پاس وہ اجہ نہ ہوتی تو میں فوراً اسے تمہارے پاس لے آتی۔ عالیان میں نے بہت محنت سے سب بچوں کو ان کے دکھوں سے نکالا تھا اور تمہیں خاص طور پر۔ تم بہت حساس رہے ہو، میری گود میں سوتے تم ان باؤں کو دہرایا کرتے تھے جو مارگریٹ کیا کرتی تھی، میں نے اینٹ اینٹ تمہیں جوڑا ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ آکر تمہیں مسمار کر جائے اور میں نہیں چاہتی کہ یہ کام تم اپنے ساتھ اب کرو۔ اگر میری محبت کی کچھ قدر کرتے ہو تو پھر سے میرے عالیان بن جاؤ۔“

”آپ جانتی تھیں سب؟“
شارلٹ کے کمر میں تیزی آگئی تھی۔ شاید وہ سارا باغ کاٹ ڈالے۔ کوئی پھول باقی نہ رہے۔ سارے باغ کی ہمارا جڑ جائے۔

”ہاں! دو سال پہلے اس کا ایک آدمی آیا تھا۔ اس وقت اسے صرف شک تھا کہ تم میرے پاس ہو، خوش قسمتی سے ایک خاتون جو اسی سینٹر سے بچے گود لے گئی تھی۔ اس بچے کی ماں کا نام مارگریٹ تھا۔ وہ عورت برطانیہ چھوڑ کر کسی دوسرے ملک چلی گئی۔ یہ لوگ اسے ڈھونڈتے رہے۔ کڈز سینٹر نے کسی بھی طرح کی

غیر ضروری معلومات کسی کو بھی نہیں دی تھی، لیکن یہ تھوڑا بہت معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے وہ سارے والدین کھنگال لیے جنہوں نے بچے گود لیے تھے۔ آخر میں ان کا شک پھر مجھ پر ٹہر گیا۔ ڈینس کو ناروے بھیج کر میں نے سب معلوم کروا لیا تھا اور اس نے مجھے بتایا کہ ولید کو عالیان بچوں چاہیے مجھے اس کی کم طرفی بردھ ہو اور میں جانتی تھی کہ تمہیں حقیقت معلوم ہو گئی تو تم بھی اچھا محسوس نہیں کرو گے۔ مجھے تمہاری تعلیم کی فکر تھی۔ لیکن ایک وقت میں میں یہ بھی چاہتی تھی کہ تم خود اس سے مل لو۔ ایک بار سب جان کر اس طرح تمہیں تکلیف نہ ہوتی۔ اگر ڈینس مارک اور باقی سب دوسرے ملکوں میں نہ ہوتے

ریت ہونے سے پہلے سننے ہیں۔
”فلمی ستاروں کو دکھنا۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو فوراً چلی جاتی۔“ انہوں نے آواز میں اتنا جوش بھر لیا کہ بس وہ ضرور ہی چلا جائے۔

”خدا نہ کرے کہ آپ میری جگہ ہوتیں۔“
قد آدم کھڑکی کے پاس بیٹھ کر وہ شارلٹ کے گھر کے وسیع باغ کو دیکھنے لگا۔ شارلٹ پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھی۔

”میں عالیان ہوتی تو دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان ہوتی۔“ وہ بھی کھڑکی کے پاس اس کے سامنے ذرا سے فاصلے پر بیٹھی تھیں۔ شارلٹ نے کمر سے ایک غیر ضروری شاخ کو کاٹا۔ اسے لگا اس کمر سے کئی غیر ضروری شاخ وہ ہے۔

”آپ مجھ سے اتنا پیار کیوں کرتی ہیں؟“ وہ باپ کا ڈسا تھا۔ اب اسے ہر محبت پر شک تھا۔

”میں تم سے اس سے بھی زیادہ پیار کیوں نہ کروں۔ مہر کی محبت پر تمہیں شک نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے محبت کو ہمیشہ باوجود رکھا ہے، میں ایک مکمل انسان نہیں ہوں۔ لیکن اپنی محبت کو میں نے نامکمل نہیں رہنے دیا۔“

”مجھ میں ایسا کیا ہے ماما جو آپ۔ آپ مجھ سے۔“ اس کی آنکھیں نم ہو کر اور اندر کو دھنسنے لگیں، جس نے خود پر محبت کو فرض کر لیا تھا۔ وہ اب ”محبت“ پر سوال اٹھا رہا تھا۔ وہ محبت پر اپنے ایمان سے جا رہا تھا۔

”تم میں ایسا کیا نہیں ہے جو تمہیں سینے سے لگا کر نہ رکھا جائے۔ تم ایک شخص کے پیمانے سے دوسروں کے پیمانے نہیں تاپ سکتے۔“

شارلٹ غیر ضروری شاخیں کاٹتی ہی جا رہی تھی۔ اس نے خود کو قریب الوقت کٹ جانے والی شاخ پھلایا اور وہ اپنے ہی اندر سسم گیا۔

”آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ وہ مجھے ڈھونڈ رہا ہے؟“

تو وہ تم تک۔ جلدی پہنچ جاتا۔ انہیں یہ ہی شک رہا کہ تم دنیا میں کہیں اور موجود ہو۔“

عالیان کی آنکھیں سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے سامنے ہارٹ راک کا وہ ہال گھوم رہا تھا جس کی زمین پر ولید کھڑا تھا۔ اس کی انگلی اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور تمسخرانہ قہقہے لگانے کے لیے اس کا ذہن بے تاب لگتا تھا۔

”تم اسے معاف کرو عالیان تم میرے بیٹے ہونا؟“

”میں اس کے پاس جاؤں گا۔ اور تمام شیراز اپنے نام لگاؤں گا۔“

”تم مجھے دکھ دے رہے ہو۔ تم میرے عالیان کو گم کر رہے ہو۔“

”میری ماں کی زندگی کے نقصان کے ہر جانے میں اس کا کچھ تو نقصان ہونا چاہیے نا ما۔“ کہتے اس کا انداز سخت تھا۔

”نقصان اس کا نہیں تمہارا ہو گا۔ اپنی زندگی کے قیمتی وقت کو تمہیں اس شخص کے لیے برباد نہیں کرنا چاہیے۔ میں جان گئی ہوں کہ تم اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو۔ تم ان شیراز کو کوڑیوں کے مول بیچ دو گے لیکن۔“

”نہیں میں چینی کروں گا۔“

”تمہیں خود کو تھکانے کی ضرورت نہیں۔“

تمہیں بارہ لینے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ انصاف کا ترازو اللہ کے ہاتھ میں ہی رہنے والا ہے۔ تم بس آگے بڑھو۔“

”میں تو بہت پیچھے چلا گیا ہوں۔“

”شارلٹ کچھ دیر سٹائیکول نہیں لیتی۔“ کہہ کر اس نے شارلٹ کے بارے میں سوچا جس کا کڑوا ہاتھ تیزی سے چل رہا تھا۔

آج سے ہمارا ختم ہونے کو ہے۔ ستم ظریفی قسمت پر راج کرنے کو ہے۔ مقاصد زندگی پر نظر ثانی کی جائے اور متاع جان کی تعریف بدلی جائے گی۔

”تو آؤ پھر بھاگ کر واپس اپنی جگہ پر۔ کیا میرے

ہوتے تمہیں کہیں لاپتہ ہونے کی ضرورت ہے۔ میں جانتی ہوں تم اس وقت کیا سوچ رہے ہو گے، لیکن عالیان! انسان کے پاس تو آنکھیں ہوتی ہیں جو وہ دیکھتی ہیں جو اس کے سامنے ہونا ہے۔ قدرت کی ہر ساعت آنکھ ہے۔ ہر ساعت انصاف ہے۔ ہر ساعت حساب ہے۔ تم مارگرٹ کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہو، اس سے بڑھ کر اس کے لیے کیا انعام ہو گا۔ تم ولید کا نام بھی لیتا پسند نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر اس کے لیے کیا سزا ہو گی۔ عالیان ہم چاہتے ہیں کہ جو برا کرے جو برا ہو اس کے ساتھ اس سے بھی زیادہ برا ہو۔ بس اسی ایک خواہش سے ہم بھی اس برے انسان جیسے برے بن جاتے ہیں۔ تم اسے فراموش کرو اور یہ ہی سزا کافی ہے اس کے لیے۔ اگر تم بدلے کے پلڑے میں جا بیٹھے تو میری محبت کا پلڑا کبھی نہیں جھکے گا۔ تم سوچ لو، تمہیں ولید اور مریم سے کس کے پلڑے کو وزنی کرنا ہے۔“ آنسو بڑی روانی سے لیڈی مہر کی آنکھوں سے نکلے۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی ان کی عمر بھر کی کمائی لے جا کر کنویں میں پھینکے والا تھا۔

عالیان ان کے قریب زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگا لیے۔

”مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری پرورش کی بلانج رکھ لی اور تم وہاں سے آگئے۔ تم میرے بیٹے ہو۔ تم نے یہ

ثابت کر دیا۔ تمہیں اللہ کے انصاف پر ایمان رکھنا چاہیے۔“ اس کی نظریں پھر سے شارلٹ پر جا پڑیں۔

”اسے فراموش کرو۔ بے نیکی سزاؤں؟“ اس نے خود سے پوچھا۔

”اسے معاف نہیں کر سکتے تو اس کے خیال کو ترک کرو۔ دنیا میں اس انسان سے بڑھ کر کوئی بد نصیب نہیں ہوتا جس کے وجود کو لاوجود مان لیا جائے۔ اس کے ہونے کو نہ ہونا کر دیا جائے۔“

شارلٹ نے ایک ملازانہ نظریاں پر ڈالی اس نے

”مجھے تم جیسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر کے
بہت خوشی ہوگی ویرا۔“

اہلکسی جوش سے اُٹھ کر لگتا ہوا ویرا کے پاس
سے گزرا۔ ”ویرا! تمہارا یہ پرانا ٹرک اب نہیں چلے
گا۔“ وہ چلاتا اور ہوتا گیا۔

وہ مسکرانے لگی۔ ”اور۔“
”میں مانچسٹر میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔“
کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔
ویرا اور زیادہ مسکرانے لگی۔

”تم ہمارا جاؤ گی ویرا۔“ اس کے پیچھے چلا تے ہوئے
اس کے قریب سے گزر کر آگے نکل گئے۔

ویرا نے موبائل والپس جیب میں رکھا اور اپنے
جوتوں تلے لگے پیوں کو اس نے اس زور سے سڑک پر
رگڑا جیسے وہ کسی جہاز کے پیچھے ہوں اور اڑان بھرنے
سے پہلے رفتار پکڑ رہے ہوں۔

پہلے اس نے پیپا کو پیچھے چھوڑا اور پھر وہ اہلکسی
کے پیچھے لپکی۔

دوسری طرف امرجہ اپنی کلاس لے کر نکل رہی
تھی کہ کارل اس کے پاس آیا۔ وہ دن اسے بخار رہا تھا۔
وہ آج ہی یونی آئی تھی۔

”کیسی طبیعت ہے تمہاری امرجہ؟“
”میں ٹھیک ہوں شکریہ۔“ وہ الفاظ ضائع نہ کرتی
تو اس کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ کتنی ٹھیک ہے۔
”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

”مجھے معلوم تھا تم آؤ گے۔ حساب لینے۔“

”نہیں اس بار تم نے غلط سمجھا مجھے میں حساب
لینے نہیں بات کرنے آیا ہوں۔“

دونوں ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔
”میں گھر گیا تھا تم سے ملنے۔ تم کافی بیمار تھیں میں
واپس آ گیا۔“

”مجھے ساوہنا نے بتایا تھا اور مجھے خوف آیا تھا تم
سے۔“

”اور میں تمہارے بیمار ہو جانے سے ڈر گیا۔“

بہت دل اگا کر کانٹ چھانٹ کی تھی۔
”اور امرجہ کو بھی معاف کرو۔“ ان کی آواز نرم
ہو گئی۔

”کر دیا معاف اور ترک بھی کر دیا۔“ اس نے
ٹھنڈے انداز میں کہا اور اس پھول کو گرتے ہوئے
دیکھا جو شارلٹ کے کٹڑے سے حادثاتی طور پر کٹ کر نیچے
ہی نیچے گر رہا تھا۔ شارلٹ کے چہرے پر افسردگی چھا
گئی۔ جیسے اس نے کسی زندہ انسان کا خون گر دیا ہو۔

”میں ڈکار عالم۔ میں سنگ آستل۔“
”میں لوح نگینہ سانس۔ میں لوح شعلہ بیاں۔“

عقنونت میری گزر گاہیں
میں جمال۔ میں کمال۔ میں اہمام۔
میں گینت ہوں
”میں قسمت ہوں۔“



ویرا اہلکسی اور پیپا کے ساتھ اسکیننگ کر رہی
تھی۔ ایک راؤنڈ میں اس نے ان دونوں کو ہرا دیا تھا۔
اب وہ دوسرے راؤنڈ کی طرف بڑھ رہی تھی اور کافی
آگے نکل آئی تھی کہ اس کی جینز کی جیب میں رکھا
فون فل وائیو ریشن کے ساتھ بجنے لگا۔ سوائے ایک کال
کے اس نے سب کالز کو ”سائنٹ“ پر رکھا تھا اور وہ
ایک کال عالمیان کی تھی۔ اپنی رفتار ذرا آہستہ کر کے
اس نے فون نکال کر سنا۔

”کہاں تھے فرش میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہے
تھے؟“

جواب میں خاموشی ملی پھر یہ سوال ”کیا برنگ مین
ٹائٹ پر پوچھا گیا اپنا سوال تمہیں یاد ہے ویرا؟“

”ہاں!“ اپنی رفتار کو اس نے بالکل روک لیا اور
سڑک کے کنارے لگے لیمپ پوسٹ کے ساتھ ٹک کر
کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر جا بجا خون کی لہریں دوڑ
گئیں اور اس نے اپنے دل کی دھڑکن کسی ساز کی
طرح سنی جسے سنتے ہی ایڑیاں بل کھانے لگتی ہیں۔

سے پڑھ لیتا ہوں۔ میں اس نے ایک جگہ لکھا۔ ”میرا یہ افسوس جاتا ہی نہیں کہ مجھ سے کسی کھلونے کی طرح کھیلا گیا۔ میرا یہ دکا کم ہونے میں نہیں آ رہا کہ جو مجھے سب سے سچا لگا تھا وہ میرے ہی منہ پر مجھ سے جھوٹ بول گیا۔“

اور اس نے ایک جگہ لکھا کہ ”جو لڑکی میرے لیے پہلی تھی اس کے لیے میں آخری بھی نہیں تھا۔“ اور اس نے یہ لکھا کہ ”بہت دکھ ہوتا ہے اس وقت کہ جس کے لیے ہم ساری دنیا کو پیچھے چھوڑ دیں اور وہ خود دنیا میں آگے نکل کر ہمیں پیچھے اکیلا چھوڑ دے۔“ کہہ کر کارل خاموش ہوا اور پھر بولا۔

”پھر بھی مجھے یقین تھا کہ تم عالیان کو منالوگی فاصلہ کم کر لوگی اور ساتھ ہی مجھے یہ خوف بھی تھا کہ تم یہ سب نہیں کر سکو گی، کیونکہ تم بندہ بند لڑکی ہو۔ تم نے کبھی اپنی صلاحیتیں آزما ئیں ہی نہیں۔ اور امرجہ! میں سوچتا ہوں کہ تم نے ”بہت کچھ کر سکتی ہوں میں“ میں سب کچھ خراب کیسے کر دیا۔ اور میں تو یہ بھی اب تک نہیں سمجھ سکا کہ تم چاہتی کیا ہو؟ تم نے عالیان کو انکار کر دیا اور عالیان کے آس پاس بھی رہیں۔ سیف روم کی دیواروں کو تم نے پیغامات سے بھر دیا۔ یہ سب کیا تھا امرجہ؟“

”پانگل پن۔“ وہ رو دینے کو ہو گئی۔ ”دیرانے اسے پروپوز کیا تو وہ ایسے خوش نہیں تھا جیسے تمہیں کرنے سے پہلے تھا۔ امرجہ ہماری زندگی میں شامل ہونے والے شخص میں اتنی ہمت تو ہونی چاہیے کہ وہ جا کر ہمیں جیت لائے اور وہ تمہیں جیت لانا اگر تم نے سوال اس کی جان کے پیارے پر نہ

اٹھائے ہوتے عالیان کے فادر اسے ڈھونڈ رہے تھے اور یہ بھی ٹھیک رہتا اگر تم انہیں بتا دیتیں، لیکن جس وجہ کے لیے تم نے انہیں عالیان کا بتایا وہ وجہ ٹھیک نہیں تھی کہ تمہیں اس کے فادر کی موجودگی کی ضرورت ہے ایک ایسے انسان کی موجودگی کی ضرورت جو اس کے نزدیک اس کی مدر کا قاتل ہے۔“

”کہہ دیں جلدی نہ مریاؤں؟“
”تمہیں مرنے کی بات نہیں کرنی چاہیے امرجہ۔ زندگی کی روشنی کو ایسی باتوں سے مدھم نہ کرو۔“
امرجہ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں مسلیں۔

کارل گردن اس کی طرف موڑے اسے دیکھ رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ دوسرے عالیان کو ہی دیکھ رہا ہے۔ اس کی خاموشی بھی اس کی خاموشی جیسی تھی۔
”عالیان امریکہ میں ہے۔“ اس نے یہاں سے بات شریع کرنا مناسب سمجھا۔

”میں جانتی ہوں۔“ امرجہ کی ایک دوسرے میں پیوست ہتھیلیاں لرزنے لگیں۔

”تم ایک اچھی لڑکی ہو امرجہ!“ وہ نرمی سے بولا۔
”اب اس پر مجھے یقین نہیں رہا۔“ وہ تلخی سے بولی۔

”میں یہ دعوا کرتا ہوں کہ تم عالیان کو سمجھیں ہی نہیں۔ تمہیں کچھ وقت لگا کر اور کچھ عقل استعمال کر کے اسے سمجھنا چاہیے تھا امرجہ! جب اس نے تمہیں پروپوز کیا تھا تو میرے لیے یہ عام سی بات تھی۔ عالیان نے میرے کتنے بریک اپ کروائے۔ وہ صرف اتنا کرتا کہ میری فریڈز کے ساتھ اچھی طرح سے بات کر لیتا اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزار لیتا اور ان کے لیے یہ ہی کافی ہوتا۔ یہ سب میرے لیے عام باتیں تھیں۔ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ تم سے بریک اپ کے بعد اس حالت میں آجائے گا تو میں کبھی ایسا نہ کرتا۔ میرے لیے وہ ایک مذاق تھا اور اب اندازہ ہوا کہ وہ کافی بے ہودہ مذاق تھا۔ مجھے بعد میں یہ احساس ہوا کہ اسے

کس قدر ریرا لگا کہ اس کی مدر پر سوال اٹھے۔ میں اپنی ماما سے نہیں ملا، لیکن اگر کوئی میرے والدین پر سوال اٹھاتا تو میں اسے سبق سکھا دیتا۔ لیکن عالیان نے کچھ نہیں کیا۔ اس نے میرے پوچھنے پر کہا کہ اگر انسان درگزر نہ کر سکے تو اسے صبر کرنا چاہیے۔ ورنہ خاموش رہنا چاہیے۔ اس نے درگزر بھی کیا اور وہ خاموش بھی رہا۔ اس کی ڈائری جو کہ میں اسے بتائے بغیر بہت آرام

کارل رک، کراسے دیکھنے لگا کہ آگے بولے یا نہ بولے۔

امرحہ بس ایک کوشش کر رہی تھی کہ وہ اس کے سامنے رو نہ پڑے۔ اس کی پور پور سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ ایک آنکھوں کو سنبھالنا زیادہ مشکل نہیں لگا اسے۔ عام انسانوں کی طرح سیڑھیوں پر بیٹھی تھی پھر بھی عام انسان نہیں لگ رہی تھی اس کے دکھ نے اسے نمایاں کر دیا تھا اور اس کے پاس رک کر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے تسلی دینے کو دل چاہتا تھا، لیکن اتنا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔

کیا وہ قسمت کا وہی الہام تھی جس کا ڈھنڈورا قسمت اپنی بنیاد سے پیٹتی ہے۔

”عالیان نے ویرا کو شادی کے لیے ہاں کہہ دیا ہے۔“ کارل نے اس کے لیے اپنے انداز کو ہر حد سے زیادہ نرم بنالیا۔

سائی کے ذریعے اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی، لیکن دوبارہ یہ سن کر اسے ایسا لگا جیسے یونیورسٹی نے اپنا رخ آتش فشاں کے دہن کی طرف موڑ لیا ہو۔

”اس نے یہ فیصلہ کسی بھی ذہنی حالت میں کیا ہو۔ لیکن امرتہ! اب کوئی نیار عمل اسے نئی تکلیف دے گا۔ تم سمجھ رہی ہونا امرتہ؟“

”میں پہلے سے ہی سمجھ چکی ہوں۔ میں یونیورسٹی چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہوں۔“

کارل کو اس بات سے صدمہ ہوا ”ایسے نہ کو پلینز۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ جس حالت میں وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ ایک ایسی حالت تھی جو اس کی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اب کوئی نئی تکلیف اس پر کیا گر کرے گی میں یہ اندازہ لگا سکتا ہوں۔ تو امرتہ!

میں تم سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ اس سے دور رہنا۔ اب تم نے کچھ اور کرنے کی کوشش کی تو۔“

”مجھے کچھ نہیں کرنا۔ میں یہ یقین رکھتی ہوں کہ ویرا ایک اچھی لڑکی ہے، عالیان نے ٹھیک فیصلہ کیا۔“

میرے سارے عمل جذباتی اور بے وقوفانہ تھے۔ مجھے اپنے ایک ایک عمل پر دکھ اور شرمندگی ہے۔ میں نے تمہارے دوست کو بہت تکلیف دی۔ پاکستان میں میرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میں سب کچھ تباہ کر دینے والوں میں سے ہوں۔ میں وہ سیاہی ہوں جو ساری روشنیاں نگل لیتی ہے۔ میں دوسروں کی خوشیوں پر بجلی بن کر گر کر رہتی ہوں۔“

”کیا پاکستان والوں کے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں جو میرے ویرا، سائی اور عالیان کے پاس ہیں۔؟“ کارل نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

امرحہ نے سر جھکا دیا وہ بالکل پھوٹ پھوٹ کر رو دینے کو بھی بس اب۔

کارل نے بہت غور سے اسے دیکھا ”میں جانتا ہوں کہ میں نے میس کیا، اگر وہ ریکارڈنگ عالیان نہ سنتا تو تمہیں لے کر اتنا تنگ نہ ہوتا۔“

”یہ سب ایسے ہی ہوتا تھا یہی میری قسمت تھی۔“ ”میں قسمت کے بارے میں نہیں سوچتا۔ سب ہمارے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے۔“

”لیکن میں اس کے بارے میں سوچتی ہوں بہت کچھ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔“

”تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ میں تمہاری طرف سے ملامت کے لیے تیار ہوں۔“

”لامت کی حق دار صرف میں ہوں۔ صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ مجھ سے دور رہنا۔“

”ہم دوست ہیں امرتہ۔“ کارل دکھی سا ہو گیا۔ ”نہیں۔ اب ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہم اس پر عمل کریں گے تو اچھا رہے گا۔“ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور کارل کو دیکھے بنا تیزی سے آگے بڑھ گئی اور کسی ایسے کونے کو ڈھونڈنے لگی جہاں چھپ کر وہ بیٹھ جائے۔

کچھ اس کے ذریعے کچھ سادہ سنا کے ذریعے دادا کو سب معلوم ہو گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ جوڑ کر روتے رہے کہ وہ ان کی جان پر رحم کھائے اور اپنی

کچھ اس کے ذریعے کچھ سادہ سنا کے ذریعے دادا کو سب معلوم ہو گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ جوڑ کر روتے رہے کہ وہ ان کی جان پر رحم کھائے اور اپنی

جان کے ساتھ کچھ نہ کرے۔ ان کا بس تہیں چلتا تھا کہ
اڑ کر مچھڑ آجائیں۔

ان کے رونے اور ان کی منت سماجت نے امرجہ کو
شرمندگی سے زمین میں دھنسا دیا۔ اپنے دل کو وہ کفن
میں لپیٹ چکی تھی، دادا کو اذیت میں مبتلا رکھنا نہیں
چاہتی تھی۔ دونوں وہ بستر بڑی رہی اور دونوں دادا اس
کے بستر کے سامنے رکھے لیٹ ٹاپ پر ساکت اسے
دیکھتے رہے۔ اس کی آنکھ کھلتی تو وہ سامنے موجود ہوتے
جیسے انہوں نے اس دوران پلکیں بھی نہیں جھپکیں۔
ایک بوڑھے شخص کے لیے یہ بہت جان لیوا مشقت
تھی۔ غرورگی اور بے ہوشی میں وہ جو بڑھتی رہی وہ وہ
سب سنتے رہے۔ بار بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے اور
روتے رہتے۔ انہیں یقین تھا کہ جو پھونکیں وہ اسے
مار رہے ہیں وہ اس پر کارگر ثابت ہوں گی۔ امرجہ
سے زیادہ وہ جان کنی میں لگنے لگے۔ تو امرجہ اس
پیارے انسان کی بے مثال محبت میں بستر سے اٹھ
بیٹھی، انہیں کھا کر دکھایا، بول کر دکھایا، چل کر دکھایا،
ہنس کر دکھایا۔ وہ ایک اچھی اداکارہ بن گئی۔ اس نے
ایک محبت کے نقصان پر دوسری محبت کو نقصان میں
نہیں جانے دیا۔ وہ نہادھو کر یونی آگئی اور ساتھ ساتھ
دادا کو دکھاتی رہی کہ وہ کلاس لینے جا رہی ہے۔ اب وہ
لاہور کی جا رہی ہے۔ اب کینٹین۔ اب جاب پر۔
اور فون کو جیب میں رکھتے ہی وہ ایسی ہو جاتی جیسے
چار اطراف سے کوئی اس کا خون نہوڑ رہا ہے اور اس
کے جسم میں خون سے بھری نالیاں خالی ہوتی جا رہی
ہیں۔

دادا اسے یہ سمجھانا بھی نہیں بھولے کہ وہ وہاں
پڑھنے کے لیے گئی ہے اور اسے اپنے مقصد حیات کو
پانے پر توجہ دینی چاہیے۔ وہ دادا کو کہہ نہ سکی کہ
جب حیات ہی نہ رہے تو ”مقصد حیات“ کہاں رہ
پاتے ہیں۔

دادا ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد اسے فون کرتے
تھے۔ ”محبت ایسے ہی کمزور کر دیتی ہے دادا اور لاچار

بھی۔“

وہ ان کی آواز جو کسی انہونی کے ڈر سے لرز رہی
ہوتی سنتی تو سوچنے لگتی۔ شاید آپ کو معلوم ہو جائے
کہ بے بسی کسے کہتے ہیں اور اپنے کسی پیارے کے
بغیر رہنا کیسا لگتا ہے۔ میرے لیے آپ وہاں سو نہیں
باتے، کسی کے لیے میں، ماں سو نہیں پاتی۔ میں ہار بھی
گئی اور آپ کو جوتا بھی ڈالا۔ ایسے کھلاڑی آپ کو
صرف ”محبت“ میں ہی پائیں گے۔ میں کسی کے لیے
مر بھی گئی اور آپ کے لیے زندہ بھی ہوں۔ ہاں میں
صرف آپ کے لیے زندہ ہوں۔

”ایک لڑکا ہے عالیان۔
عرب کے سلطان سا۔
داستان کے جمال سا۔
آسمانی فرمان سا۔“

وہ شارلٹ کے ساتھ آگیا تھا صرف اور صرف ماما
کے لیے۔ وہ اس پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹا رہی تھیں
اور وہ ٹھیک سے سو بھی نہیں پاتی تھیں۔ وہ چاہتا تھا وہ
کچھ دیر آرام کر لیں۔ ماما نے اس کے لیے بہترین
سوٹ آرڈر پر منگوایا تھا، اپنے ہاتھوں سے اس کی ٹائی
باندھی تھی، جورڈن سے اس کا ہیرا شاکل بنوایا تھا اور
اس کی دونوں بھوری آنکھوں کو باری باری چوم لیا تھا۔
”حسن کی تعریف کے لیے تمہارا خیال پیش کر دینا
ہی کافی ہے۔ شاید تمہیں کوئی ڈائریکٹر دیکھ لے اور
اپنی فلم میں سائن کر لے۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا دوں
تمہیں پہلے ایک ایکشن فلم کرنی ہے۔“ وہ چاہتی تھیں
کہ وہ مسکرا دے۔

”اگر ایسا ہوا تو میں ضرور فلم کروں گا یونی چھوڑ دوں
گا۔“ وہ اپنی ماما کے لیے مسکرا دیا۔
”تم چاہو تو ابھی بھی یونی چھوڑ دو۔ یہاں شارلٹ

کے پاس رہو، ہوتی رہے گی پڑھائی۔ میں بھی یہیں رہ
لوں گی تمہارے ساتھ، ہم اپنا گھر لے لیں گے پھر۔“

”ایسے کیوں کھڑے ہو مالیان؟“ شارلٹ اس کے پاس آئی۔
 ”میں سب دیکھ رہا ہوں۔“ اس کی نظر اوپر سیاہ گاؤں والی لڑکی پر اٹھ گئی۔۔۔ اس کے انتظار کی شدت۔

”تم دیکھو مت۔۔۔ ملو اور باتیں کرو۔“
 ”میں ان سب کو جانتا بھی نہیں۔۔۔“
 ”یہ ضروری بھی نہیں۔۔۔ بہت سے لوگ پہلی بار آئے ہیں پارٹی میں اور میں انہیں اپنی دوستوں کے ساتھ چھوڑ کر آئی تھی۔“

”میں یہاں کھڑے رہنا چاہتا ہوں شارلٹ۔۔۔“
 ”ٹھیک ہے لیکن زیادہ دیر کھڑے نہ رہنا۔“ نرمی سے اس کا گل چھو کر شارلٹ چلی گئی اس کی نظریں چھت سے جھولتی لمبی لمبی کرشل لڑکیوں پر جا ٹکیں جن سے ٹنگے ققمیے جل بجھ رہے تھے اور پھر وہ سارے ققمیے بجھ گئے اور اتنی بہت ساری لڑیاں دائرہ بنا کر چکرانے لگیں۔۔۔ اور پھر سیڑھیاں اس دائرے میں ایسے شامل ہو گئیں جیسے خیرلی حسینہ شدت سے اونچی اڑیوں پر گھومنے لگی ہو اور اس کی پوشاک دنیا کی ہر چیز کو جالینے کو ہو۔۔۔ یوں پوشاک کے کناروں نے بالکونیوں کو جالیا اور انہیں اپنے دائرے میں گھسیٹ لیا پھر دیواروں کو اور چھت کو بھی اور پھر وہاں موجود ہر شے نے دائرے میں پناہ سمیٹ لی۔۔۔ اس نے سر کو جھٹکا۔۔۔ دائرہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اور اپنے اندر ہر چیز کو سمو رہا تھا۔۔۔ زمین سے فلک تک ترن جانے کے قریب اس چکر کو اس نے خوف سے دیکھا۔۔۔

نراکت بھرا ایک ققمیہ اس کے کانوں سے ٹکرایا۔
 اس نے گردن موڑ کر دیکھا، وہاں کوئی نہیں تھا۔
 ققمیہ پھر بلند ہوا اور پھر ہر طرف سے ققمیے بلند ہونے لگے۔۔۔ اتنے بلند ققمیوں کی آوازیں اسے پریشان کرنے لگیں۔۔۔ پھر ایک ققمیہ ان سب میں امتیازی ہو گیا۔

”ولید البشر کا“

ہم دنیا کھومیں گے، مجھے سان مرنو جانا ہے، سنا ہے سان مرنو کے لوگ بہت خوش اخلاق ہوتے ہیں ڈرا ان سے مل کر آئیں، کیا ایسا ہی ہے یا صرف افواہ ہی ہے۔“

وہ مسکرنے لگا۔ وہ سیاہ جرابیں پہن رہا تھا ان کے سامنے بیٹھ کر ”آپ سچ میں چاہتی ہیں کہ میں ہیرو بن جاؤں؟“

”ہاں۔۔۔ لیکن اس سے پہلے میں یہ چاہتی ہوں کہ تم وہ کرو جو تم کرنا چاہتے ہو۔“

”میں خود کو ختم کر لینا چاہتا ہوں۔“ وہ بڑبڑایا۔
 وہ ایک گول سفید ستون کے ساتھ دایاں شانہ ٹکا کر کھڑا تھا۔ پہلے وہ مسکرا مسکرا کر سب سے ملتا رہا جیسے ان سب سے ملنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش رہی ہو، پھر وہ چند خوب صورت لڑکیوں سے (جو اتنی خوب صورت تھیں جیسے انہیں بنانے کے بعد فرصت سے ان کے نقص نکالے جاتے رہے ہوں اور انہیں کامل کر کے ہی چھوڑا گیا ہو) سے باتیں کرتا رہا۔ پھر وہ صرف سنتا رہا تو بولنا بھول گیا پھر اسے سر جھٹک کر خود کو سننے کے لیے موجود کرنا پڑا پھر وہ خود کو الگ کر کے اس ستون کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

ہال بہت بڑا تھا اور چھت بہت اونچی۔۔۔ ہال کے کراؤن سے وہ اطراف کھلی سیڑھیاں ہلکا سا بل کھاتیں کسی خیرلی حسینہ کی پوشاک میں اٹھتی لہری طرح لہراتی اور جاری تھیں اور ہال کی طرف نکلی گول بالکونیاں دور جدید کی پریوں سے سجی، بنی، بھری اپنی موجودگی کی اہمیت کا احساس اپنی شان و شوکت سے دلا رہی تھیں۔۔۔ ہنستے مسکراتے، بے فکرے نظر آتے لوگ ٹولیوں کی صورت بکھرے، کھڑے تھے۔ صرف ایک بالکونی تھی جس میں سیاہ گاؤں میں ملبوس کھڑی لڑکی اکیلی تھی اور اپنے ناخن کتر رہی تھی اور نیچے سر کر کے ایک مخصوص کونے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ کسی کے انتظار کی شدت اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ ناخن کھاتے کھاتے خود کو بھی ادھیڑ ڈالے گی۔

”تم کتنی بھی اونچی ہواؤں میں اڑ لو۔۔۔ تمہارا نصیب پستی ہی رہے گا۔۔۔ جیسے مارگریٹ کا تھا۔۔۔ تم دونوں میرے بغیر کچھ کبھی نہیں ہو۔“

پوشاک کے کناروں نے اسے آلیا۔۔۔ سب گھونٹنے لگا اور وہ بھی۔۔۔ ہال کی ساری روشنیاں گل ہو گئیں۔۔۔ اندھیرا چھا گیا۔۔۔ کائنات میں روشنی کا نشان نہ رہا۔

”مقام نامعلوم ہے۔“

”فشاری“ وہ ایک با ایمان مرد ہے۔ اس نے روشنی کی چاہ چھوڑ دی اور زندگی کی بھی جس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں اور منہ بھی اس نے ایک برگزیدہ دعا کی تیاری کی۔ اس نے سب پاکیزہ الفاظ سمیٹے اور انہیں اپنی روح کے مقام پر رکھا۔ اس نے شانوں میں شان اقدس بیان کرنے کی نوید خود کو دی اور اپنے جکڑے وجود اور آزاد روح کو اللہ لفظ کی ادائیگی کی عبادت پر اکل پایا۔

موت کی چاب اسے اپنے بہت قریب سنائی دی جو اس کی عبادت میں غل ہوئی، لیکن اس نے پھر بھی عبادت کے اس رتبے کو روح سے نکل جانے نہ دیا۔ اور پھر اسے اس شخص کا نام لے کر ایک خاص دعا کہنی تھی جس کے لیے موت اس کی طرف برہہ رہی تھی اس کے ہاتھ پیر کاٹ دیے جائیں گے اور سر بھی۔۔۔ شاید۔۔۔ اور اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ اسے موت کے پروانوں کی پھونکوں نے قطعاً نہیں سمایا۔ وہ فشاری ہے۔ وہ ”حقیقت“ پا چکا ہے۔ اب وہ اسے جھٹلائے گا نہیں۔

اندھیرے کے ریوڑ پر چابک پڑے اور کبھی نہ بچنے کے لیے اندھیرے جل اٹھے۔ اسے مارگریٹ نظر آئی۔ اس نے سر کو جھٹکا اور پھر سے دیکھا ”ہاں یہ ماما ہیں“

اس کا جی ان سے لپٹ جانے کو چاہا لیکن وہ دائرے میں چکراتے خود کو اور انہیں ایک مقام تک نہ لاسکا۔ اس نے خود کو بے بس اور لاچار پایا۔ اس نے دیکھا کہ مارگریٹ کے وجود میں جا بجا کائے آئے ہیں اور

اس کا اپنا دل یہ دیکھ کر کربا سے لبالب ہو رہا ہے اور اس نے محسوس کیا کہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر قیامت آنا شروع ہو گئی ہے۔ ہر چیز اپنے نقطہ زوال کی طرف بھاگی جا رہی ہے۔

”تو کیا آپ نے جان لیا کہ آپ نے کیا پایا؟“ اپنی ہی آواز اس نے بھی سنی۔

”ماما! آپ نے کیا پایا زندگی میں؟ اس سوال کا جواب مجھے نہ ملا تو میں اپنے سارے نشان کھودوں گا۔ جب آپ مر رہی تھیں تو آپ نے کس طرح پرواز کی چاہ کی تھی۔ والد البشر کی طرف۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہو گا تو میں اپنے دل میں آپ کو رکھوں یا نہ رکھوں مجھے اس بارے میں سوچنا ہو گا۔ اگر آپ مرنے سے پہلے اسے اپنے اندر سے نکال دیتیں تو میرے زندہ ہونے پر وہ موت بن کر نازل نہ ہوتا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ آپ کی موت پر زمین کو پھٹ جانا چاہیے تھا اور آسمان کو آگرتا چاہیے تھا۔ انسان کے لیے بنی کائنات کو اس کے دکھ پر اتنا تو ماتم کرنا ہی چاہیے۔“

وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا پھر بھی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

”میں والد البشر کی قابلیت کا مداح ہو گیا ہوں اس نے میری محبت بھی نکل لی۔ وہ صرف ایک ہی۔۔۔ وہ صرف ایک ہی دل کو خالی کر کے صابر نہیں ہوا۔ اسے یہ غرور ہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے اور میں یہ گناہ ضرور کروں گا۔ میں اس کے ہونے کو نہ ہونا ضرور کروں گا۔ مجھے یہ اعلان بھی کرنا پڑے تو میں کروں گا میرا کوئی باپ نہیں۔ اور ماما!“

”عالیان۔۔۔“ شارلٹ نے اس کا شانہ ہلایا۔

اس نے شارلٹ کو دیکھا وہ کچھ بول رہی تھی۔ کیا اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر شارلٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پھر وہ دیکھ پایا کہ ویٹر اس کے پیروں کے قریب گری ٹرے اٹھا رہا ہے۔ وہاں کا بج ہی کالج بکھرا تھا۔ کچھ گردنیں اس کے رخ مڑی ہوئی تھیں۔ بالکنی میں کھڑی لڑکی کی آنکھیں اس پر جمی تھیں اور

اس نے ناٹن کتر باند کر دیا تھا۔
چھت سے جھولتی لڑیاں جل اٹھیں۔ اور اس
نے شارلٹ کو ایسے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو۔
کیا قیامت آنے کے آثار معدوم ہو چکے۔ یا بس
قیامت آپ کی؟

”تم ٹھیک ہو؟“ شارلٹ نے شفقت سے پوچھا۔
وہ ہاں نہ کہہ سکا۔ اسے افسوس ہوا جب سب
کچھ ختم کرنے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا تو ارادہ بدلا کیوں گیا
۔ اسے افسوس ہوا شمعیں پھر سے روشن کیوں کر دی
گئیں۔ اندھیرے پر روشنی کو کیوں غالب آنے دیا گیا
۔ ہاں اسے دکھ ہوا کائنات کے پھر سے آباد ہو جانے پر
۔ نقطہ زوال کے مٹ جانے پر۔

شارلٹ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ہی رکھا اور
اسے اپنے ساتھ لے کر چلنے لگی اور وہ اس کے پیچھے
ایسے چلنے لگا جیسے اسے کچھ اور کرنے پر اختیار ہی نہ
ہو۔

”ایک لڑکا ہے عالیان۔“

بھلا دی گئی دعا سا۔

بجھ چکے چراغ سا۔

عروج سے زوال سا۔“



سارا ماچسٹ اس کے آنسوؤں میں نہ بہا اور وہ خود ہی
ان میں غرقاب ہو گئی۔ چھپ کر رونے کے مشغلے کو
اس نے ایسے اپنا لیا جیسے فرض عبادت ہو، جو بعد از توہ
کی جاتی ہے۔ راتیں وہ کھڑکی میں کھڑے تمام کر دیتی
اور دن کو اس نے دھوکا دینے کا ذریعہ بنالیا۔ اس کی گیلی
آنکھوں نے دھند کے پردوں میں فنا ہونا شروع کر دیا کہ
شاید وہ اس عکس کو جالیں جو وہاں تھا ہی نہیں۔ شاید
کسی معجزے نے خود پر اس کا نام لکھوا لیا ہو اور شاید
کسی تارک الدنیا کی صدیوں پہلے مانگی گئی دعا کی خیر
اسے بھی آ لینے کو ہو۔ اور کہیں کسی فراق زدہ کی ترپ
آسمان تک جا کر واپس پلٹتے ہوئے اس کے لیے بھی
رحمت اکٹھی کرا لی ہو۔ شاید۔

اسے ہر طرف سے ”عالیان“ نام کا جاپ سنائی
دینے لگا۔ وہ اس جاپ کو سنتی رہتی اور اپنے دل کے
مقام کو مسکتی رہتی۔ ہر ساعت اس کے نام کی پکار سن
گئی۔ ہر شبہ اس کی صبرت میں ڈھل گئی۔ اس
نے اس نام کی تسبیح پڑھنی شروع کر دی جس کے
ثواب میں وہ اسے ملنے والا تھا انعام میں۔

لیڈی مہر کے واپس آنے سے پہلے وہ کسی اور جگہ
اپنی رہائش کا انتظام کر چکی تھی اور جا بھی رہی تھی
لیکن سادھنا نے جانے نہیں دیا۔

”ایسی بے مروت نہ بنو انہوں نے کتنا خیال رکھا
تمہارا ان کے آنے تک انتظار تو کرو۔“

”ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی میں۔ بہت شرمندہ
ہوں میں۔“

”تم ان کے سامنے شرمندہ ہونا میں تمہیں نہیں
جانے دوں گی تم نے مشورہ کیے بغیر فیصلے کر کے دیکھ لیا
کیا ہوتا ہے۔ دوسروں کی ان لینے میں کبھی ہماری
بھلائی بھی ہوتی ہے۔“

”اب مجھے کہاں بھلائی زمیہ ہوگی“ وہ دونوں
سادھنا کے کمرے میں موجود نہیں۔

”ایک غلطی کی ہے دوسری غلطی نہ کرو ہو سکتا
ہے کچھ بہتر ہو جائے۔“

وہ غلطی سے ہنس دی اور یہ سوچ کر رک گئی کہ کوئی
دوسری غلطی نہ ہو جائے۔

”میں نے تم سے ایک لفظ نہیں کہا اور تم گھر چھوڑ
کر جا رہی تھیں؟“

اگلے دن لیڈی مہر نے آئے، کے بعد رات کو اسے
اپنے کمرے میں اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا۔

”ایک لفظ نہیں کہا یہی تو برا کیا۔“ اس کا سر جھکا
ہوا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کمرے کی
کس چیز پر نظریں نکائے۔

”نہیں امجدہ! کچھ برا میں نے بھی کیا۔ جہاں کچھ

غلط ہوتا ہے وہاں صرف ایک انسان کی وجہ سے ہی
نہیں ہوتا، کہیں اس کے بہنو کا بھی ہاتھ ہوتا ہے
کہیں اس کے ماحول کا اور کہیں اس فضا کا جو

معاشرے میں ریچی بسی ہوتی ہے۔“

”آپ ایسے نہ کہیں پلیز۔“

مجھے پریشان رکھا اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا عالیاں بہت دکھی ہو گیا امرحہ۔“

امرِ حق سے زیادہ اب کون جان سکتا تھا کہ وہ کتنا دکھی ہو گیا تھا اس نے اسے اس کرب میں بہت قریب سے دیکھا تھا۔

”اور اب عالیان و برپا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔۔۔
اس کی ذہنی حالت کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل
ہے۔۔۔“

”وہ ٹھیک کر رہا ہے۔“ اس نے فوراً کہا۔

”ہاں! شاید ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا ہے، خود کو بہلا رہا ہے، بھٹکا رہا ہے، سب یہاں وہاں کر رہا ہے۔ دیکھو ایک انسان آیا اور میری ریاضت کو کھوٹا کر گیا۔“ وہ اپنی آنکھیں پونچھنے لگیں۔

”میرا عالیان۔ میرا فرشتہ۔“

کچھ دیر کمرے میں تنگوت رہا۔

”بہر حال یہ تمہارا گھر ہے تم رہو یہاں۔ میں کل کی طرح آج بھی وہی ہوں۔ ماں ہوں نا اپنے بیٹے کے لیے تمہارے ساتھ تھوڑی سخت ہو گئی۔ ایک ماں کو معاف کرو۔“

”اس بات سے آپ نے مجھے بے مول کر دیا۔“

”میں نے تمہارے لیے عالیشان کو سمجھنا چاہا لیکن شاید اس کا دل بہت سخت ہو گیا ہے۔“

”دل تو میرا خت اُفتا۔“ سوچ کر وہ لیڈی مہر کا ہاتھ چوم کر اٹھ آئی۔

وہ چاہ کر بھی گھر نہ بدل سکی، لیکن ویرا کے آنے سے پہلے وہ اپنی ایک دوست کے فلیٹ میں چلی گئی۔ وہ دن وہیں رہی۔۔۔ ویرا واپس آ چکی تھی۔

”تم وہاں کیوں گئی ہو؟ آن لائن بھی نہیں آتیں،
میں فون کرتی رہی تم نے فون پر بات بھی نہیں کی۔“

”مریم نے مجھے چند دن اپنے ساتھ رہنے کے لیے کہا تو میں انکار نہیں کر سکی۔“

”آجاؤ گھر اہلکسی کی فلم دیکھیں گے۔“

”ٹھیک ہے میں چند دنوں تک آ جاؤں گی۔“

”تم ناراض ہو کہ میں نے تمہیں عالیان کو پروپوز

”تمہارے دادا نے بات کی تھی مجھ سے کہ وہ کون لڑکا ہے جسے امرحہ پسند کرتی ہے۔ جس کی ماں غیر مسلم

”میں دعا کرتی ہوں کہ عالیان کبھی اپنے باپ سے نہ ملے۔ نہ بے نجانے کیوں، لیکن مجھے خوف ہے، وہ ٹھہرے

کرنے کے بارے میں نہیں بتایا، میں نے سائی کے علاوہ کسی سے بات نہیں کی تھی۔“
”میں ناراض کیوں ہوں گی ویرا۔ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔“

”پھر بھی۔“ ویرا بہت خوش لگ رہی تھی۔
”تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے میں تمہارے لیے خوش ہوں۔ تم نے ایک اچھے انسان کا انتخاب کیا۔“

”پاپا نے کہا میں عالیان کو لے کر روس آؤں اور تمہیں بھیج دوں۔“
”ٹھیک ہے۔“

”میں نے پاپا کو تمہاری باتیں فل پرفارمنس کے ساتھ سنائیں اور وہ ہنس ہنس کر دیوانے ہو گئے۔ انہوں نے کہا یا امرجہ چند سال ہمارے پاس آکر رہے یا ہمیں چند سال پاکستان میں اپنے ساتھ رکھے۔ انہوں نے کہا میرے دل میں حسرت جنم لینے لگی ہے کہ کاش امرجہ میری بیٹی ہوتی۔ معصوم اور فرشتہ سی۔ ہا ہا ہا! دیکھو، انہیں اپنی بیٹی اب بری لگنے لگی ہے۔ امرجہ مجھے شیطان کہہ رہے تھے اور تمہارے لیے ایک پیغام دیا ہے کہ ایک چھوٹا لوہے کا کھنجر خرید لو جہاں کہیں کارل نظر آئے اس کی ناک میں گاڑ دو۔“

ویرا شروع ہوئی تو بولتی ہی رہی اور وہ سنتی رہی۔ اچھا تھا کہ ساری گنگو فون پر ہو رہی تھی ورنہ فل پرفارمنس دینے پر بھی وہ صفر ہی رہتی۔

ایک بات امرجہ نے اپنے دل پر نقش کر لی تھی۔ اب وہ کسی کی بھی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں کرے گی۔ اس نے سارے حساب نکال لیے تھے۔ ویرا غلط تھی ہی نہیں۔ نہ ہی عالیان غلط بس وہ تھی۔ اس نے عالیان کو اپنی محبت کے بارے میں بتایا نہ ویرا کو۔ اب اسے ان دونوں سے شکوہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ باب ہمیں بند کر دیا گیا اور آخری سطر میں ”سب ختم“ لکھا گیا۔

وہ یونی ایسے جاتی چبے یونی جا کر بھی یونی میں موجود نہ ہو۔ آنے والے دنوں میں اس کی آواز بھولی بیری

داستان کی مانند ہو گئی اور پھر وہ ایسے موجوں ہونے لگی کہ اپنی غیر حاضری کے ثبوت دینے لگی۔
اس نے خود کو گم کر لیا۔ ایسے جیسے وہ قصہ پارینہ ہو۔ اسے دیکھ کر یہ یاد کرنا پڑا کہ ہاں یہ وہی لڑکی ہے۔ وہی لڑکی جو کبھی امرجہ تھی۔ وہ امرجہ رہی بھی اور نہیں بھی۔

سائی اکثر اس کے پاس آ جاتا لیکن اسے زیادہ بولنے پر مائل نہ کیا تا۔ اب سائی بولتا اور امرجہ سنتی۔
ماچسٹریو نیورسٹی میں سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ اس کے اندر۔ اس کے باہر سب ٹھیک ٹھیک دن وہ اس کیفے گئی جہاں اسے پہلی جاب ملی تھی۔

”یعنی تم مجھے بھولیں نہیں، اس بار تم پورے دو مہینے بعد آئی ہو ملنے؟“ وہ مسکرا دی۔

”کتنا بدل گئی ہو تم مس اخروٹ۔!“
”کیسے؟“ وہ مسکرا رہی تھی پھر بھی وہ کہہ رہے تھے کہ وہ بدل گئی ہے۔

”جب تم جاب حاصل کرنے آئی تھیں اور تم نے اپنے یونی فیلوز کا استعمال کیا تھا تو میں نے سوچا تھا کہ تم دنیا گواہنے آگے لگانے کی طاقت رکھتی ہو لیکن اب تمہیں دیکھ کر لگ رہا ہے کہ تم دنیا سے ہی بھاگنے کی تیاری کر رہی ہو۔“

”آپ کے شہر نے مجھے بدل دیا۔“ کافی مک کے کنارے پر انگلی پھیرتے اس نے کہا۔

”اگر یہ میرے شہر نے کیا ہے تو مجھے شکایت ہے ماچسٹریو اور تمہیں مشورہ دوں گا کہ اپنے گھر لوٹ جاؤ اور پہلے جیسی بن کر آؤ۔“

”ایک بار گئی تو ہر چیز سے جاؤں گی نہ پہلے سی نہ بعد سی۔“

انہوں نے غور سے اس کی شکل کو دیکھا ”تمہارا مسئلہ شہر نہیں، تمہارا مسئلہ کوئی اور ہے اسے حل کرو مس اخروٹ۔ دوبارہ آنا تو خود کو پہلے جیسا بنا کر آنا۔“

کافی ختم کر کے وہ بے دلی سے اٹھ آئی۔ وہ سارے شہر میں تسلیاں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ کوئی حکم، کوئی